پُکار لینا

سباس گُل

پکار لینا .... سباس گل

"احسن تمہارا تو دماغ چل گیا ہے۔" مسز کمال احمد نے غصے سے کہا۔

"نہیں ممی! میرا دماغ ٹھیک طرح کام کر رہا ہے۔" احسن کمال نے بے بسی سے کہا۔

"جانتے ہو وہ لڑکی بیوہ ہے اور ایک بچے کی ماں بھی ہے۔"

"تو کیا ہوا ممی! بیوہ ہونا کوئی جرم عیب یا گناہ تو نہیں ہے اور ہمارے مذہب نے بھی بیوہ عورت سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے اور یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھنے کا حکم ہے اور اس کا کتنا ثواب ہے۔" احسن نے انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھنے اور ثواب کمانے کا اتنا ہی شوق ہے ناں تو کسی یتیم خانے کا رُخ کر لیا کرو..... رہی وہ لڑکی صبا اور اس کا بیٹا دانیال تو انہیں بھول جاؤ' میں ایک منحوس لڑکی کو اور وہ بھی بچے والی بیوہ کو اپنی بہو کبھی نہیں بناؤں گی سنا تم نے....." مسز کمال احمد نے غصے سے تیز لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"پھر تو آپ کبھی بھی مجھے دولہا بنا ہوا نہیں دیکھ سکیں گی۔" احسن کمال نے افسردگی سے مسکرا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ مسز کمال احمد حیرت سے تکتی رہ گئیں۔

□□□

"صبا بیٹا! ڈور بیل بج رہی ہے گیٹ پر دیکھنا کون ہے؟" رقیہ بانو نے چھ ماہ کے دانیال کو نہلاتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

"اچھا امی۔" صبا دوپٹہ سر پر اوڑھتی ہوئی باہر نکل آئی اور گیٹ کے قریب پہنچ کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

"احسن کمال۔" باہر سے دلکش مردانہ آواز اس کی سماعت میں پھول بن کر کھلی تھی۔ احسن کمال فیروز بھائی کے دوست تھے جب ہی صبا نے گیٹ کھول دیا۔

"السلام علیکم۔" احسن کمال نے اس کے سفید لباس میں پنہاں سراپے کو عقیدت و محبت سے دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" صبا نے آہستگی سے جواب دیتے ہوئے بتایا۔ "فیروز بھائی تو گھر پر نہیں ہیں۔"

"فیروز بھائی کی امی تو گھر پر ہیں ناں۔" احسن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہیں۔"

"اندر آنے کے لیے نہیں کہیں گی؟"

"سوری آیئے پلیز۔" صبا نے شرمندہ ہو کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ صبا گیٹ بند کر کے جانے لگی تو پیچھے سے انہوں نے اسے پکارا۔ "صبا۔"

"جی۔" وہ رک گئی مگر مڑ کر ان کی جانب نہیں دیکھا۔

"صبا! آپ مجھ سے شادی کریں گی؟" احسن کمال کے اس سوال پر صبا نے حیران ہو کر گردن گھمائی اور ان کا محبت' خلوص اور عقیدت کی سچائی سے روشن چہرہ دیکھ کر مزید حیرت زدہ رہ گئی۔ چند ثانیے وہ انہیں یوں ہی حیران آنکھوں سے تکتی رہی پھر کوئی جواب دیے بغیر اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ احسن کمال بے قرار ہو کر اس کی جانب لپکے۔

"صبا پلیز! انکار کی وجہ تو بتا دیجیے۔" صبا کا یوں رخ پھیر کر جانا اس کے منفی جواب کا اشارہ دے رہا تھا جب ہی تڑپ کر پوچھا تھا۔

"احسن صاحب! کیا آپ نہیں جانتے کہ میں نہ صرف بیوہ ہوں بلکہ ایک بچے کی ماں بھی ہوں؟" صبا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جانتا ہوں۔"

"پھر بھی مجھ سے شادی کے خواہش مند ہیں۔"

"جی ہاں اس لیے کہ بیوہ ہونا یا ایک بچے کی ماں ہو کر بیوہ ہونا نہ تو کوئی جرم ہے اور نہ ہی کوئی عیب اور گناہ ہے۔ ہمارا مذہب ہمیں اجازت دیتا ہے تو کون روک سکتا ہے مجھے بیوہ سے شادی کر کے رشتہ جوڑنے سے۔" احسن کمال نے سنجیدگی سے کہا تو وہ گویا ہوئی۔

"احسن صاحب! مذہب سے زیادہ ہم لوگ معاشرے کے بنائے ہوئے قوانین اور رسم و رواج پر عمل کرتے ہیں۔ میرا بیوہ ہونا اس معاشرے کی نظر میں ایک جرم، عیب اور گناہ ہے۔ میرے سسرال والوں نے مجھے منحوس قرار دے کر گھر سے بابل کے در پر لا پھینکا ہے۔ ان کے خیال میں میں منحوس تھی جب ہی ان کے بیٹے یعنی اپنے شوہر کی موت کی ذمہ دار ٹھہرا دی گئی۔ ان کا ایکسڈنٹ میں مرنا میری نحوست کی وجہ سے ہوا۔ میرا ڈیڑھ ماہ کا بچہ یتیم ہو گیا۔ یہ بھی ان کی نظر میں میری نحوست ہی تھی۔ پھر بھلا آپ کیوں یہ رسک لینا چاہتے ہیں؟ اور آپ کے گھر والے کیونکر ان حقائق کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ وہ بھی تو اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔"

"صبا! آپ ہاں تو کریں، میں انشاء اللہ ان سب کو منا لوں گا۔"

"احسن صاحب! منا لینے اور خود سے مان جانے میں بہت گہرا فرق ہوتا ہے اور مجھے اب شادی نہیں کرنی۔ میرے لیے ایک تجربہ ہی بہت ہے اور میرا بیٹا ہے ناں میرا سہارا۔ مجھے اب اپنے بیٹے کے لیے ہی جینا ہے۔" صبا نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"اور جو آپ کے ساتھ کے لیے جینا چاہتا ہے وہ کیا کرے؟"

"وہ کوئی اور در کھٹکھٹائے۔" صبا نے نظریں چرا کر جواب دیا۔

"لیکن اس نے تو آپ کی جانب کھلنے والے در کے سوا سارے دروازے خود پر بند کر لیے ہیں۔" احسن کمال نے بے بسی سے کہا تو صبا کے حساس دل پر چوٹ سی لگی تھی۔ اس نے بے چین نظروں سے انہیں دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

"صبا! میں آپ کو اور دانیال کو دل سے اپنانا چاہتا ہوں۔" احسن کمال نے اس کے برابر چلتے ہوئے ایمان داری اور خلوص سے کہا۔

"اپنی ممی سے بات کی آپ نے؟"

"نہیں۔"

"تو پہلے ان سے بات کر لیجیے، مجھے یقین ہے کہ ان سے بات کرنے کے بعد آپ کو میری ہاں یا ناں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ فیصلہ آپ کی ممی کا ہوگا۔ آپ خود کو ذہنی طور پر تیار کر کے جائیے گا۔ میں نہیں چاہوں گی کہ آپ میری وجہ سے ہرٹ ہوں۔" صبا نے نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا اور انہیں سوچ میں ڈال کر تیزی سے اندر چلی گئی اور وہ وہیں سے واپس پلٹ گئے...... اس وقت وہ اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے بے قراری سے سوچ رہے تھے کہ کتنا درست اندازہ لگایا تھا صبا نے اپنے متعلق ممی کی سوچ کا۔ وہ تو مجھے ہرٹ بھی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میری اپنی ماں نے ہی مجھے اپنے ردیے اور فیصلے سے ہرٹ کر دیا تھا۔ انہوں نے پہلے صبا سے بات کی تھی اور پھر اپنی ممی کو اپنے دل کی بات کہی تھی اور ان کے جواب نے اب انہیں دوبارہ صبا سے بات کرنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ انہیں دکھ تھا کہ ان کی ماں بھی عام سوچ کی ہیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ناسمجھی اور جہالت کی باتیں کر رہی تھیں۔

ریاض مجید اور رقیہ بانو کے دو ہی بچے تھے۔ بیٹا فیروز علی اور بیٹی جو فیروز سے گیارہ برس چھوٹی تھی صبا ریاض۔ ریاض مجید کالج میں لیکچرار تھے اور رضیہ بانو ایک سرکاری اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ فیروز علی کو انہوں نے ایم بی اے اور ایچ سی ایس کرایا تھا اور ان کی شاندار جاب لگتے ہی ان کی شادی اپنی بھتیجی نازش سے کر دی تھی۔ نازش اور فیروز کے دو بچے تھے۔ ایک بیٹا مہروز علی اور بیٹی مہوش جو بالترتیب پانچ اور چار سال کے تھے۔ اس ہنستے بستے گھرانے کی خوشیوں میں غم کے بادل اس دن چھائے تھے جس دن انہوں نے صبا کا رشتہ اپنے خاندان میں اپنے بھانجے جاوید سے طے کیا تھا۔ صبا نے بی ایس سی کا امتحان دیا تھا اور اس کے حسن کو دیکھتے ہوئے اس کی پھوپو نے جاوید کے لیے رشتہ مانگنے اور شادی کی تاریخ طے پا جانے کے بعد جاوید کے لیے نئے ماڈل کی کار جہیز میں دینے کا مطالبہ کر دیا تھا۔ ریاض مجید کے وسائل اتنے زیادہ نہ تھے۔ ان کی پریشانی بجا تھی کہ وہ بہن اور بھانجے کی فرمائش کیسے پوری کریں گے...... رقیہ بانو نے ریاض مجید کو سمجھایا اور اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کو نہیں لگتا کہ آپ کی بہن اس رشتے کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہے۔آپ کا بھانجا ہماری لاڈلی نازوں پلی بیٹی کے قابل نہیں ہے۔ ریاض جو لوگ شادی سے پہلے کار مانگ رہے ہیں' وہ شادی کے بعد لڑکے کے لیے من پسند کاروبار کراتے کا سرمایہ بھی مانگ سکتے ہیں' پھر ہم کہاں سے ان کے مطالبے اور فرمائش پوری کریں گے؟ اور کیا ایسے ہوتے ہیں خون کے رشتے؟ آپ یہ نہ سمجھے گا کہ میں اپنی بھتیجی کو بہو بنانے کے بعد آپ کے بھانجے سے رشتہ جوڑنے کے حق میں نہیں ہوں یا آپ کے خاندان والوں سے تعلق نہیں رکھنا چاہتی...... میں تو صرف اپنی بچی کی خوشی اور اس کے بہتر مستقبل کی وجہ سے یہ کہہ رہی ہوں۔ آپ خود سوچیں کیا ہماری بیٹی اس گھر میں خوش رہ سکے گی جس گھر میں اسے قیمتی جہیز اور نئی کار کے عوض قبول کیا گیا ہو؟''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو رقیہ بیگم! صبا ہماری اکلوتی بیٹی ہے۔ ہم اسے جانتے بوجھتے جہنم میں تو نہیں دھکیل سکتے نا...... مگر میں اب کیا کروں رشتہ طے ہو گیا ہے' پورے خاندان کو معلوم ہے کہ صبا اور جاوید کی شادی ہونے والی ہے۔ میں کیسے اس رشتے سے انکار کر دوں...... مجھے کیا معلوم تھا کہ میری سگی بہن ہی رشتہ طے کر کے یوں منہ پھاڑ کے فرمائشیں شروع کر دے گی۔ جاوید اٹھارہ ہزار ماہوار کما رہا ہے اور کیا چاہیے انہیں؟'' ریاض مجید نے فکر مندی سے دلگیر لہجے میں کہا تو وہ تلخی سے بولیں۔

''انہیں کیا چاہیے یہ تو وہ بتا ہی چکے ہیں۔ وہ تو فیروز کی شاندار جاب اور پرکشش تنخواہ سے جلتے ہیں۔ کہہ رہی تھیں آپ کی بہن صاحبہ کہ فیروز پینتیس ہزار روپے ماہانہ کما رہا ہے' تم لوگوں کے لیے گاڑی جہیز میں دینا کون سا مشکل کام ہے۔ تمہاری بیٹی ہی آرام سے میکے آیا جایا کرے گی۔ میرے بس میں ہو تو میں ابھی یہ رشتہ ختم کر دوں' میری معصوم بچی بھی پریشان ہو کر رہ گئی ہے۔''

''رقیہ بیگم میری تو راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں سوچ سوچ کر۔ اس رشتے کو توڑتا ہوں تو بہن بھی سارے رشتے ختم کر ڈالے گی۔ ذرا سی بات پر خاندان بھر کی ناراضگی اور ہمیشہ کے لیے تعلق ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں؟''

''آپ ایک بار اپنی بہن اور بھانجے سے بات تو کر کے دیکھیں۔ شاید وہ کار کا مطالبہ ترک کر دیں۔''

''ہاں بات تو کروں گا ہی...... آخری کوشش تو کر کے دیکھنی ہی ہے پھر جو اللہ کو منظور......'' ریاض مجید نے گہری سانس لے کر کہا تو وہ چپ ہو گئیں۔

اگلے روز ریاض مجید نے اپنی بہن نصرت آرا سے بات کی تو اس نے صاف کہہ دیا۔

''بھائی میں نے اپنی دو بیٹیوں کو گھر بھر کے جہیز دیا ہے۔ جاوید میرا اکلوتا بیٹا ہے تو کیا میں گھر بھر کے جہیز نہ لوں؟ میں تو بھائی کے گھر سے ہمیشہ رشتہ جوڑے رکھنے کے خیال سے صبا کو اپنی بہو بنانا چاہ رہی ہوں ورنہ خاندان میں اور خاندان سے باہر لڑکیوں کی کمی تو نہیں ہے۔ ایک سے ایک امیر گھر کی لڑکی مل جائے گی میرے بیٹے کے لیے جو حسین بھی ہو گی اور دولت مند بھی...... جہیز میں کار کوٹھی لے کر آئے گی۔ میں نے تو صرف کار مانگی ہے۔''

''لیکن بہن میری اتنی حیثیت نہیں ہے۔'' ریاض مجید بولے۔

''تو قرض لے لیں۔'' وہ بے نیازی سے بولیں۔

''میں اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا چاہتا ہوں جو کچھ میرے پاس ہے۔ اسی میں بیٹی کو رخصت کروں گا۔''

''تو میری طرف سے یہ رشتہ ختم سمجھیں۔'' نصرت آرا نے بے دردی سے کہا۔

''نصرت! یہ کیا کہہ رہی ہو...... رشتے اس طرح ختم نہیں ہوتے۔'' نصرت آرا کے شوہر رشید انور نے پہلی بار ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا تو وہ انہیں ڈپٹتے ہوئے سفاکی سے بولیں۔

''آپ خاموش ہی رہیں تو اچھا ہے۔ یہ ہم بہن بھائی کا آپس کا معاملہ ہے۔ میں صبا کو کار کے بغیر اپنی بہو قبول نہیں کروں گی۔ اگر بھائی جی اپنی اکلوتی بیٹی کو جہیز میں کار نہیں دے سکتے تو صبا اور جاوید کا رشتہ بے کار ہے۔ یہ صبا کے لیے کوئی اور بر ڈھونڈ لیں۔ مجھ سے رشتہ ختم سمجھیں۔''

”نصرت آرا! تم بہن ہو کر آہ......“ ریاض مجید اپنی بات پوری نہ کر سکے اور دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے نڈھال ہو گئے۔ نصرت آرا اور رشید انور ان کی یہ حالت دیکھ کر بوکھلا گئے۔

”ریاض بھائی! کیا ہوا؟ ریاض بھائی۔“ رشید انور نے انہیں سنبھالتے ہوئے پریشانی سے پوچھا مگر وہ آن کی آن میں بے ہوش ہو گئے۔

”نصرت آرا اگر انہیں کچھ ہو گیا تو بات ہم پر آئے گی۔ ان کی بیوی بچے تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے اور شاید تم خود بھی احساسِ جرم ہونے پر خود کو معاف نہیں کر سکو گی۔“ رشید انور نے نصرت آرا کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اپنی تقریر بند کرو اور انہیں اسپتال پہنچاؤ۔ یہ جاوید کہاں چلا گیا؟ جاوید جلدی سے آؤ“ نصرت آرا نے کہا اور ریاض مجید کو اسپتال پہنچا کر رشید انور نے ان کے گھر فون کر کے اطلاع دے دی۔ رقیہ بانو نے نصرت آراء کو دیکھا تو وہ نظریں چرا گئیں۔ رقیہ بانو سمیت سب ہی سمجھ گئے کہ ریاض مجید کو اس حال میں پہنچانے والی نصرت آرا ہی ہیں۔ ڈاکٹر کے مطابق ریاض مجید کو دل کا شدید دورہ پڑا تھا۔ رقیہ بانو فیروز علی نازش اور صبا پرنم آنکھوں اور تڑپتے دلوں کے ساتھ ریاض مجید کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ رشید انور بھلے آدمی تھے وہ بھی ریاض مجید کے لیے دعاگو اور فکرمند تھے۔ نصرت آرا جانے کن خیالوں میں گم تھیں۔ سب کی دعائیں مستجاب ہوئیں اور مجید کو ہوش آ گیا۔ ڈاکٹرز نے انہیں ٹینشن فری ماحول میں رکھنے کی ہدایت کی تھی۔ رقیہ بانو سمیت تمام گھر والوں نے کلمہ شکر ادا کیا۔

”شکر ادا کرو کہ ریاض بھائی کی جان بچ گئی۔ خبردار جو اب ان کے سامنے رشتہ ختم کرنے کی بات کی...... معافی مانگ لینا ان سے اور شادی طے شدہ تاریخ پر کرنے کی یقین دہانی کرانا تاکہ وہ سنبھل جائیں ورنہ ان کی موت کی ذمہ دار تم ہو گی نصرت آرا۔“ رشید انور نے نیچی آواز میں انہیں تنبیہ کی مگر فیروز علی سن چکے تھے۔

”مانگ لوں گی معافی۔ بس اب آپ چپ کریں۔“ نصرت آرا نے تیزی سے کہا۔

فیروز علی نے نازش اور رقیہ بانو کو بھی یہ بات بتا دی تھا اور نازش نے اپنے گھر والوں کو بتایا اور یوں نصرت آرا کی ستم ظریفی کی داستان خاندان اور محلے بھر میں پہنچ گئی تھی۔

”بھائی مجھے معاف کر دیں۔ میری آنکھوں پر لالچ کی پٹی بندھ گئی تھی۔ بس آپ جلدی سے تندرست ہو جائیں پھر اپنی صبا کو دعاؤں میں میرے جاوید کے ساتھ رخصت کیجیے گا۔ شادی مقررہ تاریخ کو ہی ہو گی۔“ نصرت آرا نے بھیگی آواز میں ریاض مجید کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”نصرت بہن! تم سچ کہہ رہی ہو نا؟“ ریاض مجید کے مرجھائے چہرے پر تازگی عود آئی۔ مسکرا کر تصدیق چاہی۔

”جی ہاں ریاض بھائی! اسے عقل آ گئی ہے۔ ہمیں صبا بیٹی کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔“ رشید انور نے مسکراتے ہوئے یقین دلایا۔

”ہاں میں نے تو خدمتِ خلق کا ادارہ کھول رکھا ہے نا کہ مفت میں بہو بیاہ کے لے آؤں اور جہیز تک نہ لوں۔“ نصرت آرا نے شوہر کی بات سن کر دل میں غصے سے کہا تھا۔

”خوش رہو میری بہن۔ تم نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا۔“ ریاض مجید بولتے ہوئے تشکر اور انبساط کے مارے آبدیدہ ہو گئے۔

صبا اس ساری صورتحال سے دل گرفتہ اور ملول تھی۔ وہ بہت پریشان اور خوفزدہ تھی۔ جاوید اسے پسند کرتا تھا مگر کرتا وہی تھا جو ماں کہتی تھی۔ نصرت آرا کے لالچی رویے اور خودغرضانہ سوچ نے اس کے پیارے ابو جانی کو موت کے منہ میں دھکیل دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اسی وجہ سے وہ ان سے خوفزدہ اور بدگمان ہو رہی تھی۔

”صبا چندا! یہاں کیوں بیٹھی ہو...... اندر سب کے پاس آ کر بیٹھو نا۔“ نازش بھابی نے اسے گھر کے چھوٹے لان میں تنہا بیٹھے دیکھا تو اس کے پاس آ کر پیار سے بولیں۔ وہ اسے اپنی بہن اور بیٹی کی طرح سمجھتی اور عزیز تھی۔

”بھابی! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“ وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

”ڈر۔ کس بات سے چندا؟“

''جاوید سے شادی سے۔ پھوپو بہت خودغرض ہیں۔ وہ مجھے چین سے نہیں رہنے دیں گی۔ آپ نے دیکھا انہوں نے ابو جان کا کیا حال کردیا ہے۔ بہنیں کوئی ایسی ہوتی ہیں؟''

''صبا! پھوپو نے ابو جان سے معافی تو مانگ لی ہے۔ انشاللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ تم فکر مت کرو۔ چلو آؤ اندر یہاں ٹھنڈ ہو رہی ہے۔'' نازش پیار سے سمجھاتی ہوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولیں تو وہ خاموشی سے اٹھ کر ان کے ساتھ اندر چلی گئی۔

''میں مطمئن نہیں ہوں ریاض صاحب! میرا دل اس رشتے سے خوش نہیں خوفزدہ ہے۔'' رقیہ بانو نے نہ چاہتے ہوئے بھی شوہر کے سامنے اپنی کیفیت بیان کردی۔ ریاض مجید چار دن اسپتال میں رہنے کے بعد گھر آ گئے تھے۔ اب ان کی طبیعت بھی کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق وہ آرام کررہے تھے اور دوائیں باقاعدگی سے لے رہے تھے۔

''رقیہ بیگم! میری بیٹی پھولوں جیسی نرم و نازک ہے۔ تقدیر بنانے والا اس کے نصیب میں کانٹے نہیں لکھ سکتا۔ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اس نے یقیناً ہماری صبا کے لیے بہت خوب صورت مستقبل لکھا ہوگا۔ ریاض مجید نے نرمی سے کہا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' رقیہ بانو نے دل سے دعا کی۔

''انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔'' ریاض مجید نے یقین سے کہا تو وہ بھی قدرے مطمئن ہوکر اپنے کام میں لگ گئیں۔

اور پھر مقررہ تاریخ کو صبا اور جاوید رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ ریاض مجید اور فیروز علی نے بہت شان سے اسے رخصت کیا تھا۔ جہیز میں بھی سب کچھ دیا تھا' سوائے نئے ماڈل کی کار کے...... نصرت آرا بھی بہت خوش نظر آرہی تھیں۔ ''رشید ہاؤس'' میں صبا کا استقبال بھی خوب ہوا تھا۔ وہ پھر بھی ڈر رہی تھی۔ دلہن بن کر صبا اور بھی حسین لگ رہی تھی۔ گلابی مائل سفید رنگت تھی اس کی۔ ہونٹوں کی بناوٹ ایسی تھی کہ مسکرائے تو لگتا تھا جیسے ایک جہاں مسکرا رہا ہو۔ سیاہ آنکھیں جو ذہانت اور شرارت سے بھری رہتی تھیں۔ آج کل خوف کے سائے ان میں لہرا رہے تھے اور آج یہ حسین دل والی لڑکی جاوید کی دلہن بن کر اس کے کمرے میں موجود تھی۔

''تم بہت حسین ہو صبا! میں تمہیں خوش رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔ مگر تمہیں میری ماں کو خوش رکھنا ہوگا۔ انہیں کبھی ناراض مت کرنا اور نہ ہی ان کی حکم عدولی کرنا جو کہیں وہ تمہیں کرنا ہے۔ تم جانتی ہو کہ ہماری شادی کن مراحل سے گزر کر ہو پائی ہے۔'' جاوید اس کے روبرو بیٹھا کہہ رہا تھا۔

''جی'' وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکی۔ ''گاڑی میری خوشی نہیں تھی اور ابو کی حیثیت نہیں تھی ورنہ ابو اسپتال نہ پہنچتے۔ اگر سب کچھ لڑکی والوں نے ہی دینا ہوتا ہے تو لڑکے کی مردانگی اس کی زورِ بازو کی کمائی اس کی خودداری اس کی عزتِ نفس تو کچھ بھی نہ ہوئی نا' مرد اپنے زورِ بازو سے اپنی محنت سے کماتا ہی اچھا لگتا ہے۔'' صبا نے ہمت کرکے کہہ ہی دیا۔ جاوید چپ سا ہوگیا۔

پھر انگوٹھی اپنے کوٹ کی جیب میں سے نکالتے ہوئے اس کے ہاتھ کی انگلی میں پہنانے لگا۔ ''یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ ہے۔''

''بہت اچھا ہے۔'' صبا نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کون...... تحفہ یا دولہا؟'' جاوید نے شوخ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ شرمیلے پن سے ہنس پڑی۔

شادی کے دو ماہ کیسے گزرے صبا کو پتہ ہی نہیں چلا۔ نصرت آرا کا رویہ کبھی کبھی اس کے ساتھ تلخ ہوجاتا تھا مگر رشید انور کی وجہ سے وہ چپ ہو جاتی تھیں۔ جاوید کو وہ سوائے رات کو اس کے کمرے میں جانے نہیں دیتی تھی باقی وقت جب وہ گھر پر ہوتا بہانے سے اپنے ہی کسی کام میں الجھائے رکھتی تھیں۔ جاوید کا رویہ صبا کے ساتھ ٹھیک تھا۔ وہ اس کے معصوم حسن کا دیوانہ تھا مگر ماں کے سامنے محتاط رہنا پڑتا تھا۔ صبا ان دونوں کے رویوں کو سمجھنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جاتی پھر جس روز صبا کو لیڈی ڈاکٹر ارجمند نے ماں بننے کی نوید سنائی تو صبا کی خوشی دیدنی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اب نصرت آرا کا رویہ بھی اس کے ساتھ صحیح ہوجائے گا جس کا ذکر اس نے اپنے گھر والوں سے اب تک نہیں کیا تھا۔ جاوید چپ چپ سا تھا۔

صبا نے رات کو اس سے پوچھا۔ ''جاوید آپ خوش تو ہیں نا۔''

''صبا! مجھے فی الحال بچے نہیں چاہیں' میں اپنی زندگی انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔'' جاوید نے سنجیدگی سے جواب دیا تو اس کا دل ٹوٹ کر رہ گیا۔ پھر

پھر بھی وہ اسے سمجھانے کی غرض سے بولی۔
"بچوں سے تو زندگی مکمل ہوتی ہے۔ پر لطف اور خوب صورت ہوتی ہے۔"
"ہوتی ہوگی۔ اب میں تمہیں اس حالت میں موٹر سائیکل پر ڈاکٹروں کے پاس چکر لگواتا پھروں گا۔ جانتی ہو کتنی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس حالت میں موٹر سائیکل پر تو بار بار جھٹکے لگتے ہیں۔ کچھ الٹا سیدھا ہو گیا تو تمہارے ساتھ میری زندگی بھی خراب ہو جائے گی۔ تمہارے ابو جان نے تو گاڑی جہیز میں نہیں دی۔ اب مجھے گاڑی خریدنے دو تاکہ میں تمہیں آرام سے باہر لے جا سکوں۔ بعد میں کرتی رہنا یہ شوق پورے۔ فی الحال تو اس قصے کو پاک کرو۔" جاوید نے سنجیدہ اور تیز لہجے میں کہا تو وہ حیرت اور دکھ سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ صرف گاڑی کے لالچ میں اسے یہ سب سنا رہا تھا۔
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ تو گناہ ہے، قتل ہے اور اس میں میری زندگی بھی ختم ہو سکتی ہے۔ لوگ تو ترستے ہیں اولاد کے لیے اور آپ......"
"اور میں اپنی اولاد کو اپنی طرح محرومیوں کا شکار نہیں بنانا چاہتا۔ اپنی اولاد کو ہر آسائش دینا چاہتا ہوں۔ یہ گھر میرے نام ہے۔ گویا تمہارے نام ہے اور گاڑی میں آئندہ دو سال میں خریدنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد تم بچے پیدا کر لینا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر غصے سے بولا تو وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔
"گاڑی کا بچوں سے کیا تعلق ہے؟ اور آپ کو بچے نہیں چاہئیں تھے تو پہلے سوچنا تھا۔ اب میں یہ رسک نہیں لوں گی۔"
"رسک تو تمہیں لینا ہی پڑے گا۔ اس بچے کو پیدا کرنا چاہتی ہو تو اپنے باپ سے کہو کہ وہ تمہیں گاڑی گفٹ کر دے۔ نانا بننے کی خوشی میں ہی یہ فرمائش پوری کر دیں وہ۔ ورنہ میں اس بچے کو نہیں پالوں گا۔ سنبھالتی رہنا خود ہی۔" وہ بے رحمی سے بولا۔
"گویا نئے ماڈل کی کار کی فرمائش آپ لوگوں نے وقتی طور پر بھلا دی تھی۔ اب اس بہانے پھر سے اپنی خواہش پوری کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن میں ابو سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کروں گی۔" صبا نے دکھی ہو کر کہا۔
"تو میں بھی تم سے اب کوئی بات نہیں کروں گا۔ یہاں رہنا ہے تو جیسا ہم کہیں ویسا تمہیں کرنا ہوگا ورنہ میرے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ تمہارے اس حسن کو ساری زندگی گلے کا ہار بنا کر نہیں رہنا ہے سمجھیں تم۔" جاوید نے سفاک اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو وہ سہم کر رہ گئی۔
"جاوید! آپ باپ بننے والے ہیں۔"
"مجھے باپ بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اپنے بچے کو لے کر جانا اپنے باپ کے گھر۔" جاوید نے اسی لہجے میں جواب دیا تو آنسو ٹپ ٹپ کرتے اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ وہ ان ماں بیٹے کی مصنوعی اور بناوٹی محبت و اپنائیت پر اپنے نصیب کی تیرگی پر دکھی ہو کر رو رہی تھی۔
ریاض مجید اور رقیہ بانو کو صبا کے امید سے ہونے کی خبر ملی تو وہ بہت خوش ہوئے اور مٹھائی لے کر صبا کے سسرال مبارک باد دینے چلے آئے۔ وہ صبا کو کچھ دن کے لئے اپنے ساتھ گھر لے جانے کا سوچ کر بھی آئے تھے۔
"نصرت بہن، مبارک ہو تم دادی بننے والی ہو۔" ریاض مجید نے مسکراتے ہوئے مبارک باد دی اور مٹھائی کا دو کلو کا ڈبہ انہیں دیا۔
"آپ کو بھی مبارک ہو۔ بھائی بھابی آپ بھی نانا نانی بننے والے ہیں۔" نصرت آرا نے مٹھائی کا ڈبہ لے کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔
"اللہ خیر سے ہمیں یہ خوشی دکھائے۔" رقیہ بانو نے دل سے دعا مانگی۔
"آمین۔" ریاض مجید اور رشید انور نے ایک ساتھ کہا۔
صبا ان کے درمیان کھڑی شرم و حیا سے مسکرا رہی تھی۔
"نصرت بہن اور رشید بھائی ہم صبا کو کچھ دن کے لئے اپنے ساتھ گھر لے جائیں۔" رقیہ بانو نے مسکراتے ہوئے دونوں کو اجازت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں ہاں ضرور لے جائیں۔" رشید انور نے بخوشی اجازت دے دی۔
"جاوید بیٹا تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے صبا کے ہمارے ساتھ جانے پر۔" رقیہ بانو نے داماد کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے ماموں، میری طرف سے آپ صبا کو ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لے جائیں۔“ جاوید نے بے مروتی سے جواب دیا تو صبا کا دل ڈوبنے لگا۔ ریاض مجید اور رقیہ بانو نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”جاوید! یہ کیا مذاق ہے؟“ رشید انور نے اسے گھورا۔

”بھئی لے جائیں آپ صبا کو اپنے ساتھ جتنے دن چاہے صبا میکے میں رہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے مگر واپس چھوڑنے آئیں تو صبا کو گاڑی میں چھوڑ کر جائیے گا۔ دیکھیں ناں ایسی حالت میں موٹر سائیکل پر بیٹھنا خطرے سے خالی نہیں ہے اور ہاں گاڑی یہیں چھوڑ جائیے گا۔ صبا کو ڈاکٹر کے پاس بھی تو لانا لے جانا ہوگا۔ گاڑی میں آرام سے جایا آیا کرے گی۔“ نصرت آرا نے بڑی خوبصورتی سے اپنی گاڑی دینے کی فرمائش ان تک پہنچاتے ہوئے کہا تو صبا شرمندہ ہو کر نظریں چرا گئی اور ریاض مجید اور رقیہ بانو نے ایک دوسرے کو حیرت بے بسی اور دکھ سے دیکھا تھا۔

”ٹھیک ہے فیروز اپنی گاڑی میں صبا کو چھوڑ جائے گا اور صبا کو جب ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوا کرے گا تو آپ ہمیں فون کر دیا کر دیجئے گا، فیروز خود گاڑی لے کر آ جائے گا۔“ رقیہ بانو نے کہا تو وہ بے حسی سے بولیں۔

”ہم دوسروں کی گاڑی کے محتاج بن کر کیوں رہیں۔ صبا کو آپ نئے ماڈل کی کار خرید کر دیں اسی کو آرام ہوگا۔ لے جائیں اسے اپنے گھر اور واپس لانے سے پہلے گاڑی ضرور خرید لیجئے گا ورنہ اپنی بیٹی کو بھی اپنے گھر ہی رکھئے گا ہمیشہ کے لئے۔ ویسے بھی میرے جاوید کو ابھی بچوں کی ذمے داری اٹھانے کی خواہش نہیں ہے جو بچہ پیدا کرنے چلی ہے وہی اسے پالنے کے اسباب بھی خود کرے تو اچھا ہوگا۔“

”یہ کیا بکواس ہے نصرت آرا؟“ رشید انور غصے سے بولے۔

”آپ بیچ میں مت بولیں، پہلے بھی میں نے آپ کی وجہ سے گاڑی کی بات گول کر دی تھی۔ اب تو میں گاڑی کے بغیر صبا کو اس گھر میں گھسنے بھی نہیں دوں گی۔“ نصرت آرا نے انہیں ڈپٹ کر تیز لہجے میں کہا۔

”کیسی لالچی عورت ہو تم۔ صبا تمہاری سگی بھتیجی ہے۔ خون ہے تمہارا۔ تمہیں رشتوں کا کوئی احساس اور پاس نہیں ہے۔ لوگ سنیں گے تو تھو تھو کریں گے تم پر۔“ رشید انور نے غصے سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے لوگوں کی پروا نہیں ہے ایک ہی بیٹا ہے میرا میں اس کی خوشی اور اپنے ارمان پورے کیوں نہ کروں؟“

”امی ٹھیک کہہ رہی ہیں ابو۔“ جاوید نے بھی ماں کی حمایت میں کہا۔

”یا اللہ! میری بچی کو...... اپنی امان میں رکھنا، میری صبا اب تیرے حوالے ہے مالک۔“

ریاض مجید دل پر ہاتھ رکھے شدید تکلیف کا احساس لئے اٹک اٹک کر بولے اور وہیں ڈھیر ہو گئے۔

”ابو۔“ صبا کی چیخ پورے گھر میں گونجی تھی۔

”بے حس عورت مار دیا اپنے بھائی کو۔“ رشید انور نے ریاض مجید کی نبض اور دل کی دھڑکنیں ساکت محسوس کر کے غصے سے نصرت آرا کو دیکھ کر کہا۔

رقیہ بانو کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ جاوید اور نصرت آرا قدرے شرمندہ سے کھڑے تھے۔ رشید انور نے فیروز علی کو فون کر کے صورتحال سے آگاہ کیا۔ ڈاکٹر کو بلایا جس نے ریاض مجید کا ہارٹ فیل ہو جانے کی تصدیق کر دی۔

”ریاض لاج“ میں ایک قیامت بپا تھی۔ رقیہ بانو بڑی مشکل سے ہوش میں آئی تھیں اور اپنے سہاگ کے اجڑنے کا ماتم کرتے ہوئے ہر کسی کو اشکبار کر رہی تھیں۔ صبا کی حالت الگ غیر ہو رہی تھی۔ فیروز علی خود کو بمشکل سنبھال پا رہے تھے۔ نازش اور ان کے والدین انہیں تسلی دلاسہ دینے میں خود بھی ہلکان ہو رہے تھے۔ نصرت آراء دنیا دکھاوے کو جنازے کا میت کا آخری دیدار کرنے آ تو گئی تھیں لیکن سبھی نے انہیں نفرت بھری نظروں سے دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا۔ جنازہ اٹھتے ہی نصرت آرا بھی اٹھ کر اپنے گھر چلی گئیں۔ فیروز علی تو جاوید کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہیں تھے۔ اس کے لالچ اور خود غرضی نے ان کے باپ کو موت کے منہ میں دھکیلا تھا۔ وہ اسے کبھی معاف نہیں کر سکتے تھے۔

ریاض مجید کا چہلم بھی ہو گیا تھا۔ صبا ابھی تک میکے میں تھی۔ چہلم کے اگلے روز رشید انور اور جاوید صبا کو لینے کے لئے آئے تو فیروز علی نے اسے ان کے ساتھ بھیجنے سے صاف انکار کر دیا۔

''میری بہن آپ کے لالچی اور خود غرض بیٹے کے گھر رہنے نہیں جائے گی اور جاوید کو تو نہ بیوی کی چاہ ہے اور نہ بچے کی اور گاڑی ہم دے نہیں سکتے تو پھر یہ کس لئے لینے آیا ہے صبا کو؟''

''میں اپنے کیئے پر شرمندہ ہوں پلیز فیروز بھائی۔ آپ مجھے ایک موقع دے دیں آئندہ آپ کو یا صبا کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔'' جاوید نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ اب وہ واقعی شرمسار تھا یا بن رہا تھا فیروز کو اعتبار نہیں تھا اس پر۔

''تم نے اور پھوپو نے میرے باپ کو قبر میں پہنچا دیا ہے اب میری بہن کو مارنا چاہتے ہو۔ وہ پھولوں جیسی نازک لڑکی تم ماں بیٹے کے ظلم برداشت کرتی رہی ہم سے ایک لفظ نہیں کہا۔ اب تم پھر سے اسے ٹارچر کرنے کے لئے لے جانا چاہتے ہو مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' فیروز علی نے غصے سے کہا۔

''فیروز بیٹا' یہ واقعی اپنے رویے پر نادم ہے۔ بیٹا میری ضمانت پر اسے ایک موقع دے دو۔ بھابی جی! آپ ہی کچھ سمجھائیں ناں فیروز میاں کو' یہ رشتے اتنے نازک تو نہیں ہیں کہ ذرا سی ٹھیس پہنچنے پر ٹوٹ جائیں۔'' رشید انور نے فیروز علی اور رقیہ بانو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ذرا سی ٹھیس...... پھوپا جان میرے باپ کی موت واقع ہوئی ہے' آپ کے بیٹے اور بیوی کی بے حسی کی بدولت' آپ اسے ذرا سی ٹھیس کہہ رہے ہیں۔ میں اور میری بہن یتیم ہو گئے ہیں۔ ہماری ماں بیوہ ہو گئی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں ذرا سی ٹھیس۔'' فیروز علی غصے اور تلخی سے تیز لہجے میں بولے تو وہ شرم سے زمین میں گڑھ گئے۔

''میں نے کہا نا میں شرمندہ ہوں آپ پلیز صبا کو میرے ساتھ بھیج دیں۔'' جاوید نے ہمت کر کے کہا۔

''ہرگز نہیں۔'' فیروز علی غصے سے بولے۔

''فیروز بیٹا...... بس اب مجھے بات کرنے دو۔'' رقیہ بانو نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''امی۔''

''بس بیٹا' صبا سے کہو اپنا سامان پیک کر لے یہ اپنے رویے پر نادم ہیں تو ہمیں بھی بات نہیں بڑھانی چاہئے اور پھر ہم بیٹی والے ہیں۔ بیٹی والوں کو تو بہت سی زیادتیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ہماری بیٹی ماں بننے والی ہے اسے ٹینشن کی ضرورت نہیں ہے۔ توجہ آرام اور سکون کی ضرورت ہے جو اسے شوہر کے گھر میں ہی مل سکتا ہے اور جاوید میاں آپ کو اگر بچہ نہیں چاہئے نا تو مجھے دے دیجئے گا میں پال لوں گی اپنی بیٹی کا بچہ۔'' رقیہ بانو نے فیروز علی سے بات کرنے کے بعد جاوید کو مخاطب کر کے کہا۔

''مامی! میں شرمندہ ہوں۔ میں اپنے بچے کی ہر ذمے داری بخوشی پوری کروں گا۔ آپ کو شکایت نہیں ہو گی۔'' جاوید نے یقین دلانا چاہا۔

''ٹھیک ہے میں تمہاری بات پر یقین کر لیتی ہوں اور صبا کو بھیج دیتی ہوں تمہارے ساتھ۔ ہاں نصرت آرا سے کہنا کہ میں شوہر کی موت کا غم تو جھیل ہی رہی ہوں مگر اگر میری بیٹی کو کچھ ہوا تو اس کے لئے میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' رقیہ بانو نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

اور یوں صبا پھر سے ''رشید ہاؤس'' آ گئی۔ نصرت آرا نے اسے دیکھتے ہی طنزیہ لہجے میں کہا۔

''آ گئیں بہو رانی' ارے مجھے تو پورا یقین تھا کہ رقیہ بانو بیٹی کو سسرال بھیجنے کے لئے بے چین ہوں گی۔ تم گئے ان کی لاڈلی کو لینے اور انہوں نے فوراً ساتھ بھیج دیا۔ ظاہر ہے شادی شدہ بیٹی کو میکے کو کون بٹھانا چاہتا ہے۔ طلاق کا خوف ہر ظلم و زیادتی بھلا دیتا ہے اور بیٹی والوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا ہے اور پھر صبا تو ماں بھی بننے والی ہے۔ اسے اس کے میکے والے کیوں رکھنے لگے اپنے پاس۔''

''امی پلیز! بس کریں ماموں کی موت سے ہی کچھ سبق سیکھ لیں۔'' جاوید نے غصے سے کہا تو رشید انور نے کہا۔

''بیٹا! تمہاری ماں کو تو میری اور تمہاری موت ہی سبق سکھائے گی۔''

''اللہ نہ کرے کیسی منحوس بات کہی تم نے۔'' نصرت آرا نے ڈر کر کہا تو وہ طنز سے مسکرا کے بولے۔

''اپنے پر بات آئی تو منحوس لگی ہے نا ذرا رقیہ بھابی کے غم کو محسوس کرو پھر تمہیں اندازہ ہوگا کہ موت کا غم کیا ہوتا ہے؟''

''اچھا بڑی ہمدردی ہو رہی ہے رقیہ بھابی سے۔ تو جاؤ ان کی عدت پوری ہوتے ہی ان کے ساتھ اپنے دو بول پڑھوا لو۔'' نصرت آرا نے تلخی سے کہا تو صبا اور جاوید شرم سے غصے سے سرخ ہو کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' رشید انور نے غصے سے کہا اور گھر سے باہر نکل گئے۔

جاوید کا رویہ تو صبا کے ساتھ اب ٹھیک ہو گیا تھا مگر نصرت آرا ہر وقت اسے ڈانٹتی' طعنے دیتی رہتی تھیں۔ وہ گھر کے کام بھی کرتی تھی' انہیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی تھی مگر وہ خوش ہونے والی نہیں تھیں۔ صبا ہر وقت ڈری سہمی سی رہتی تھی۔ جاوید صبح کا گیا شام کو گھر لوٹتا تھا اور نصرت آرا اسے صبا کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھیں۔ وہ خاموشی سے ان کی جلی کٹی باتیں سن لیتا کمرے میں آ کر صبا سے کچھ نہیں کہتا تھا۔ بس اس کی طبیعت کا پوچھ کر کپڑے بدلتا اور سونے کے لئے لیٹ جاتا۔ عجیب سی دوریاں ان کے بیچ حائل تھیں۔ نصرت آرا ان دونوں کے بیچ دیوار بن کر کھڑی تھیں۔ جاوید صبا کو اس کے میکے اور چیک اپ کے لئے ڈاکٹر کے پاس باقاعدگی سے لے جا رہا تھا۔ ڈلیوری سے ایک ماہ پہلے صبا کو وہ اس کے میکے چھوڑ گیا کیونکہ نصرت آرا کا رویہ صبا کے ساتھ دن بدن تلخ ہوتا جا رہا تھا اور وہ ان کی خدمتیں کر کر کے کمزور ہو گئی تھی۔ وہ پھر بھی اس سے خوش نہیں تھیں۔ میکے جاتے وقت نصرت آرا نے صبا سے کہہ دیا تھا کہ

''بیٹا پیدا ہو تو اس گھر میں قدم رکھنا ورنہ وہیں رہنا اپنے میکے۔ طلاق کے کاغذات تمہیں مل جائیں گے۔''

اور صبا نے پریشان ہو کر جاوید کو دیکھا تھا۔

''تم ان کی باتوں پر دھیان مت دو اطمینان سے میکے جاؤ۔'' جاوید نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے دباتے ہوئے تسلی دلا دی تو وہ کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جب اس نے ایک نئی زندگی جنم دی تھی وہ ایک خوبصورت اور صحت مند بیٹے کی ماں بن کر بہت خوش تھی کہ نصرت آرا اب اسے اپنے گھر آنے سے نہیں روک سکیں گی۔ اس کے میکے والے بھی بہت خوش تھے۔ جاوید بھی خوش تھا۔ بار بار بچے کو پیار کر رہا تھا۔ نصرت آرا اور رشید انور بھی ہسپتال آئے تھے اپنے پوتے کو دیکھنے۔ نصرت آرا نے پوتے کو پیار کیا اور پانچ سو کا نوٹ اس کے ہاتھ کی مٹھی میں دبا دیا۔

''چھلہ نہا کر گھر آؤ تو ساس نندوں کے لئے ایک ایک سونے کا سیٹ لانا مت بھولنا' میرے لئے دو کڑے اور تین جوڑے کپڑوں کے لازمی ہونے چاہئیں۔ نندوں کے شوہروں اور بچوں کے کپڑے علیحدہ ہوں گے۔ اپنے سسر کے لئے بھی سوٹ' اور چادر لانا...... اور ہاں جاوید کو سونے کی انگوٹھی کے ساتھ پانچ جوڑے کپڑوں کے اور جوتے وغیرہ بھی ہونے چاہئیں' سن رہی ہو نا بہورانی۔'' نصرت آرا نے صبا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی۔'' وہ بے چاری حیران پریشان سی ان کی صورت دیکھتے ہوئے بولی تو جاوید نے صبا کی پریشانی بھانپ کر ان سے کہا۔

''امی' کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ صبا دوبارہ جہیز لے کر سسرال جائے گی کیا۔ اتنا بہت کچھ تو ماموں نے پہلے ہی دے دیا تھا۔ اب صبا کچھ نہیں لائے گی میکے سے۔''

''برخوردار! یہ پرانے رسم و رواج ہیں سب دیتے ہیں اپنی بیٹی کو چھوچک کے نام سے' تمہاری بیوی کوئی نیا کام نہیں کرے گی آخر مجھے خاندان اور بیٹیوں کے سسرال میں منہ بھی دکھانا ہے۔ وہ لوگ کیا کہیں گے کہ بہورانی چھوچک کے نام پر بچے کی چار بچھونیاں اور چھ لنگوٹ لے کر آئی ہے اور بس۔ مجھے اپنی ناک نہیں کٹوانی سمجھے تم۔'' نصرت آرا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''آپ اگر اتنی ہی ناک والی ہوتیں تو یہ سب نہ مانگتیں۔'' جاوید نے تلخی سے کہا۔

''اے لو تمہیں بھی زبان لگ گئی ہے۔ بیوی نے ماں کے خلاف کان بھر دیئے نا۔ آخر بن گئے نا جورو کے غلام' مگر کان کھول کر سن لو اب کی بار میں کوئی رعایت نہیں دوں گی۔ میری بلا سے کوئی مرے یا جئے۔ مجھے اس بار تمام چیزیں چاہئیں' یہ تو پرانی رسمیں ہیں۔'' نصرت آرا نے بیٹے کو

گھورتے ہوئے اٹل لہجے میں کہا۔
نازش بھابی خاموشی سے بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھیں اور ان کی عقل و ہوس پر ماتم کر رہی تھیں۔ انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ صبا جیسی پیاری لڑکی ناقدرے اور لالچی رشتے داروں میں بیاہی گئی اور مصیبت میں مبتلا ہو کر رہ گئی ہے۔
"سب خود ساختہ اور فضول رسمیں ہیں یہ۔ نصرت آرا کیوں تم صبا کو پریشان کرنے کے بہانے ڈھونڈتی رہتی ہو۔ چین سے جی لینے دو اس معصوم بچی کو۔" رشید انور نے انہیں تاسف سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"آپ کو تو موقع چاہیے اپنی تقریر جھاڑنے کا۔ میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا ہے۔ چلیں یہاں سے بہو کے حمایتی۔"
نصرت آرا نے غصے سے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی اٹھ کر ان کے ساتھ ہی کمرے سے باہر چلے گئے۔
دو دن بعد صبا ہسپتال سے "ریاض لاج" آ گئی۔ مہوش اور مہروز ننھے سے سرخ و سفید گپلو سے بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے۔
رشید انور نے نومولود کا نام دانیال تجویز کیا جو سب نے بخوشی قبول کر لیا۔ نصرت آرا ریاض مجید کی موت کے بعد سے اب تک "ریاض لاج" نہیں آئی تھیں۔ رقیہ بانو اسی بات میں خوش تھیں کہ داماد نے ان کی بیٹی کے ساتھ اپنا رویہ اور سلوک بہتر کر لیا تھا۔
"صبا! میری طرف سے یہ تحفہ قبول کرو دانیال کی پیدائش کی خوشی میں' میں نے رشید ہاؤس جو کہ ابو نے میرے نام کر دیا تھا' اب میں نے تمہارے نام قانونی طور پر کر دیا ہے۔ اب وہ گھر تمہارا ہے تمہیں وہاں سے کوئی نہیں نکال سکے گا۔" جاوید نے اسے ایک بڑا خاکی لفافہ دیتے ہوئے نرمی سے کہا۔
"گھر آپ کے نام ہو یا میرے نام بات تو ایک ہی تھی نا پھر آپ نے باقاعدہ میرے نام کیوں لکھ دیا؟" صبا نے حیرت و مسرت سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"بس میرا دل چاہا' میں نے ایسا کر دیا صبا میں جانتا اور مانتا ہوں کہ میں نے تمہیں بہت دکھ دیئے ہیں بہت زیادتی کی ہے تمہارے ساتھ' تمہیں کوئی سکھ' کوئی خوشی نہیں دے سکا' اس کے لئے میں تم سے شرمندہ بھی ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آج کے بعد تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ میں تم سے کی گئی ہر زیادتی کا ازالہ کروں گا۔ انشاء اللہ۔" جاوید نے اس کا ہاتھ تھام کر خلوص دل سے کہا تو وہ خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔
"تھینک یو جاوید' جاوید آپ دانیال کی پیدائش پر خوش ہیں ناں' میرا مطلب ہے آپ کو بچوں کی خواہش نہیں تھی ناں۔"
"یار مجھے شرمندہ مت کرو' وہ تو میں امی کی باتوں میں آ گیا تھا۔ ورنہ باپ بننا تو خوش قسمتی کی بات ہے' میں بہت خوش ہوں بہت زیادہ خوش ہوں صبا۔" جاوید نے دل سے اقرار کیا۔
"اللہ کا شکر۔" وہ ہلکی پھلکی ہو کر مسکرا دی۔
"اچھا شام کو تیار رہنا میں ایک دوست کی گاڑی لاؤں گا پھر آپ کو اور اپنے بیٹے کو رخصت کرا کے گھر لے جاؤں گا۔ ڈھائی ماہ سے میرا بیڈروم تمہارے دیدار کو ترس رہا ہے تمہاری کمی محسوس ہوتی ہے دل نہیں لگتا تمہارے بغیر اب۔" وہ اسے چاہت سے دیکھتے ہوئے بولا۔
"واقعی۔"
"یقین کرو صبا' اب کی بار تمہارے سارے خدشے اور خوف ختم کر دوں گا۔ بس مجھے یہ یقین دلا دو کہ تم نے مجھے میری ہر زیادتی ہر بے رخی اور بے حسی کے لئے معاف کر دیا ہے۔" جاوید اس کا ہاتھ تھامے ہوئے بولا۔
"یقین کیجئے جاوید' میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" صبا نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔
"تھینک یو صبا' میں شام کو آؤں گا اوکے ٹیک کیئر اللہ حافظ۔" جاوید دانیال کو پیار کرنے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ صبا خوشی سے کھل سی گئی تھی اور شام تک کا انتظار اب اسے طویل لگ رہا تھا کہ پہلی بار اس کے شوہر نے اسے اپنی محبت اور اپنی زندگی میں اس کی اہمیت کا احساس دلایا تھا۔ اپنا

کل اثاثہ اپنا دس مرلے کا مکان تک اس کے نام لکھ کر گفٹ کر دیا تھا۔ اسے زندگی آسان ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی شام ہونے میں کافی وقت تھا اور شام سے پہلے ہی اس کی خوشیوں کی شام ہوگئی تھی۔ جاوید کی موت کی اطلاع نے اس کے اعصاب شل کر کے رکھ دیئے تھے۔ اس کا بہت خطرناک ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس کی موٹر سائیکل کو ایک ٹرک کی ٹکر نے بہت دور تک اچھالا تھا اور جاوید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے موقع پر ہی جاں بحق ہوگیا تھا۔

صبا کو اس اندوہناک خبر نے ہلا کر رکھ دیا۔ پیار کا رشتہ ابھی جاوید سے جڑنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ اپنے تمام وعدوں اور محبتوں سمیت منوں مٹی تلے جا سویا تھا۔ صبا جانتی تھی کہ اسے ماں کی تربیت اور عادت نے منفی سوچ اور رویئے کا مالک بنا دیا تھا مگر اب تو وہ اس کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کر رہا تھا۔ اپنی زیادتوں کی معافی مانگ کر کیسے سکون سے دنیا سے پردہ کر گیا تھا۔ رقیہ بانو اکلوتی جوان بیٹی کی بیوگی سے ٹوٹ کر رہ گئی تھیں۔ نصرت آرا اور رشید انور کا بہت برا حال تھا۔ جاوید کی بہنیں اکلوتے بھائی کی موت پر تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔ صبا رشید ہاؤس پہنچی تو نصرت آرا نے اسے کوسنے دینے شروع کر دیئے۔

”آ گئی ڈائن‘ میرے بیٹے کو کھا گئی ہائے میرا لعل میرا اکلوتا بیٹا تھا۔ میرا جاوید اس منحوس کی نحوست کی نذر ہوگیا۔ اب تُو یہاں کیا لینے آئی ہے؟ دفعہ ہو جا یہاں سے مر گیا ہے وہ جس کے نام سے جڑ کے تو اس گھر میں آئی تھی۔ دفعہ ہو یہاں سے ڈائن۔“

”میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی‘ یہ میرا گھر ہے۔“ صبا نے روتے ہوئے جواب دیا۔ خاندان بھر کی عورتیں اسے گلے لگا کر تسلی دلاسہ دینے لگیں۔ نصرت آرا کو سمجھانے لگیں جو پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچ رہی تھیں۔ رو رہی تھیں۔

جاوید چلا گیا تھا ہمیشہ کے لئے اور اسے اپنے ڈیڑھ ماہ کے بچے کے ساتھ تڑپتا چھوڑ گیا تھا۔ رات کو صبا اپنے اور جاوید کے مشترکہ بیڈ روم میں جانے لگی تو نصرت آرا نے اس کا بازو پکڑ کر زور سے کھینچا اور پرے دھکیل دیا۔

”تو یہاں کہاں جا رہی ہے منحوس‘ یہ میرے بیٹے کا کمرہ ہے کوئی حق نہیں ہے تیرا اس کمرے پر۔“

”کیوں حق نہیں ہے میرا اس کمرے پر۔ میں جاوید کی بیوہ ہوں میرا اس کمرے ہی نہیں اس گھر پر بھی پورا حق ہے پھوپو۔“ وہ روتی ہوئی بولی تو رشید انور نے نصرت آرا کے پاس آ کر دلگیر لہجے میں کہا۔

”صبا ٹھیک کہہ رہی ہے نصرت بیگم! اس گھر پر اس کا پورا حق ہے۔ جاوید کی جائیداد یہ گھر ہی ہے اور یہ جاوید کی بیوہ کا حق ہے۔“

”کچھ نہیں دوں گی میں اسے‘ اس سے کہو کہ یہاں سے چلی جائے۔ یہ میرے اکلوتے بیٹے کی موت کی ذمہ دار ہے۔“ نصرت آرا نے روتے چیختے ہوئے ہذیانی انداز میں کہا۔

”اپنے بیٹے کی موت کی ذمے دار تم خود ہو نصرت بیگم! تم نے جو کچھ اپنے بھائی اور بھتیجی کے ساتھ کیا ہے نا‘ تمہارا وہی کیا دھرا تمہارے سامنے آیا ہے۔ میرا اکلوتا بیٹا میرے جگر کا ٹکڑا‘ میرا بازو‘ میرا سہارا‘ تمہاری لالچی طبیعت‘ خود غرضی‘ بے حسی اور سفاکی کی وجہ سے آج مجھ سے جدا ہوا ہے تم نے قدرت کے غضب کو خود دعوت دی ہے تم ہو اپنے بیٹے کی موت کی ذمہ دار۔ تم قاتل ہو صبا کے سہاگ کی اور دانیال کے باپ کی۔ سنا تم نے۔“ رشید انور نے روتے ہوئے غصے سے لرزتے لہجے میں کہا اور وہاں سے چلے گئے۔ نصرت آرا دانیال کے نام پر چونک سی گئی اور صبا پر جھپٹ پڑیں۔

”دانیال‘ دانیال میرے جاوید کا بیٹا کہاں ہے دانیال؟ بولو میرے جاوید کا بیٹا مجھے واپس کرو۔“

”وہ میرا بیٹا ہے‘ ایک ڈائن کا بیٹا ایک منحوس کا بچہ۔ آپ اسے لے کر کیا کریں گی؟ میں اپنا بچہ آپ کو نہیں دوں گی۔“ صبا نے روتے ہوئے کہا۔ رقیہ بانو اسے نصرت آرا کے شکنجے سے چھڑا کر لے گئی جاوید کے بیڈ روم میں اور دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔

”دانیال ”ریاض لاج“ میں ہی تھا۔ نازش بھابی واپس چلی گئی تھیں وہی اسے سنبھالنے کا یقین دلا گئی تھیں۔ یہاں غمزدہ اور جارحانہ ماحول میں صبا دانیال کو سنبھال بھی نہیں سکتی تھی۔

”صبا بیٹا...... مجھے نہیں لگتا کہ نصرت تمہیں یہاں زیادہ دن ٹکنے دے گی۔ یہ تو تمہیں عدت بھی پوری نہیں کرنے دے گی۔ تم یہاں سے اپنا

ضروری سامان سمیٹ لو ہم تمہیں اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔" رقیہ بانو نے پرغم لہجے میں کہا تو وہ روتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"امی..... جاوید نے مجھے یہ گھر گفٹ کیا تھا کیا میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں۔"
"تم نہیں چھوڑو گی تو نصرت آرا تمہیں چھوڑنے پر مجبور کردے گی۔ وہ تو تمہیں ابھی گھر سے نکال رہی تھی۔ سب نے نصرت آرا کا تمہارے ساتھ سلوک دیکھ ہی لیا ہے۔ بس کل واپس چلنا میں تمہیں مزید اس جہنم میں نہیں رہنے دوں گی۔" رقیہ بانو نے اسے اپنے سینے سے لگا کر کہا تو وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ مگر نصرت آرا کے بین اور صبا کو کوسنے اب بھی جاری تھے۔ بالآخر رقیہ بانو کا ضبط اور صبر جواب دے گیا اور غصے سے گویا ہوئیں۔
"نصرت آرا! بس کرو تمہارے کیے کی سزا تمہارے بیٹے کو ملی ہے میری بیٹی بھری جوانی میں بیوہ ہوگئی نواسہ یتیم ہوگیا ہے۔ تمہیں کوئی پروا نہیں تھی ناں کہ کوئی جیے یا مرے تو اب کس لئے بین کر رہی ہو۔ کیوں آنسو بہا رہی ہو؟ میرا اور میری بیٹی کا سہاگ اجاڑ کر بھی تمہارے کلیجے میں ٹھنڈ نہیں پڑی..... بہت لالچ کیا تھا ناتم نے گاڑی چاہئے تھی نا تمہیں جس کی خاطر تم نے میری معصوم بیٹی کا جینا حرام کر دیا تھا..... دیکھ لیا اپنی بے حسی کا نتیجہ، تمہیں گاڑی تو پھر بھی نہ مل سکی لیکن تمہارے بیٹے کی زندگی کی گاڑی ہمیشہ کے لئے رک گئی ہے بند ہوگئی ہے اور یہی تمہاری سزا ہے کہ تم اب ساری زندگی اپنے اکلوتے بیٹے کی ابدی جدائی کے غم میں ماتم کرتی رہو..... مر گیا ہے جاوید اب کیسے کرو گی اس کی دوسری شادی۔ ایسی لڑکی سے جو کار، کوٹھی، جہیز میں لے کر آئے گی۔ بولو اب کس کے سر پہ سہرا سجاؤ گی؟ مر گیا ہے وہ پیارا سا بچہ جس کی تم نے قدر نہیں کی۔"
"بکواس بند کرو۔" نصرت آرا غصے سے چلائیں۔ "نکل جاؤ میرے گھر سے لے جاؤ اپنی منحوس بیٹی کو میرے گھر سے۔ میں..... میں اپنے پوتے کو خود آ کر چھین لوں گی، نہیں رہنے دوں گی تمہارے ساتھ..... دفعہ ہوجاؤ یہاں سے۔" نصرت آرا نے صبا کو باقاعدہ دھکے دے کر دروازے کی جانب دھکیلا تھا۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ رشید انور نے اسے سنبھال لیا تھا۔
"پھوپا جان۔" صبا ان کے سینے سے لپٹ کر رو پڑی۔
"صبا بیٹی، مجھے معاف کر دینا میں تمہیں اس گھر میں وہ محبت اور عزت نہیں دلوا سکا جو تمہارا حق تھی۔ تم اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ، یہ عورت اپنے حواس میں نہیں ہے۔ یہ تمہیں چین سے نہیں رہنے دے گی۔ بچہ بھی تمہارے لئے تڑپ رہا ہوگا۔ دانیال کو تمہاری اشد ضرورت ہے، تم جاؤ اس کے پاس۔ میں تمہاری پھوپو کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ بس حوصلہ رکھو تم تو بہت بہادر لڑکی ہو۔" رشید انور نے بھیگتی آواز میں کہا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے اسے خود سے علیحدہ کر کے اس کے آنسو صاف کیے۔
"مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے رشید انور، میں اس منحوس کو اپنے گھر میں اب ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کروں گی۔" نصرت آرا نے ان کی باتیں سن کر غصے سے ہانپتے ہوئے کہا۔
"مت کریں برداشت۔ ہمارے گھر میں صبا کے لئے بہت جگہ ہے۔ ہم پہ نہ یہ بھاری ہے نہ اس کا بیٹا۔ چلو صبا، لعنت بھیجو اس گھر پر۔" فیروز علی نے غصے سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا اور صبا کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"بھائی جان، یہ گھر جاوید نے مجھے گفٹ کیا تھا۔ میرے نام لکھ دیا تھا۔" صبا نے روتے ہوئے بتایا تو نصرت آرا کو بڑے زور کا جھٹکا لگا۔
"کیا کہا؟ یہ گھر جاوید نے تمہارے نام لکھ دیا تھا۔ جھوٹی، مکار شوہر کے مرتے ہی اس کی جائیداد پر قابض ہوگئی، میں تجھے رہنے دوں گی تو یہ گھر تیرا رہے گا نا۔" نصرت آرا نے صبا پر دوہتڑ مارتے ہوئے غصے سے کہا۔
"شوہر کی جائیداد پر بیوہ کا ہی حق ہوتا ہے اور جاوید نے تو اپنی زندگی میں ہی یہ گھر اپنی بیوی کے نام لکھ دیا تھا۔ صبا چاہے تو آپ کو کھڑے کھڑے اس گھر سے بے دخل کر سکتی ہے، آپ کیا صبا کو اس گھر سے نکالیں گی۔ صبا کو قانونی اختیار حاصل ہے اس گھر کی ملکیت کے کاغذات صبا کے پاس موجود ہیں۔ نہ تو آپ صبا سے یہ گھر اس طرح چیخ چلا کر، طعنے اور الزام لگا کر چھین سکتی ہیں اور نہ ہی اس کا بیٹا، اس سے چھیننے کا قانونی حق آپ کو مل سکتا ہے۔ اتنے بڑے سانحے سے بھی آپ کو سبق نہیں ملا تو آپ کیا چاہتی ہیں کہ اس گھر کی قانونی وارث صبا جاوید آپ کو اس گھر سے نکل

جانے کا حکم دے دے۔ ذرا سوچیے پھوپو جان! اگر ایسا ہو جائے تو آپ کہاں جائیں گی؟" فیروز علی نے سنجیدہ سپاٹ اور تیز لہجے میں کہا۔

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔" نصرت آرا نے سٹپٹا کر کہا۔

"نہیں، میں تو آپ کو آئینہ دکھا رہا ہوں مگر شاید آپ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے جو اپنی اصل شکل آپ کو اس آئینے میں نظر نہیں آ رہی۔ چلو صبا! اپنا سامان اٹھاؤ۔" فیروز علی نے جواب دیا اور صبا کا ہاتھ پکڑ کر رقیہ بانو کو ساتھ لے کر وہاں سے چلے گئے اور نصرت آرا ہکا بکا کھڑی رہ گئیں۔

اب تو سمجھ جاؤ، سدھر جاؤ نصرت آرا بیگم۔" رشید انور کی آواز ان کی سماعت میں گونجی۔

"امی! صحیح تو کہہ رہے تھے ماموں لوگ کیا ملا آپ کو لالچ کر کے، صبا اور ماموں جان پر ظلم کر کے، اپنا اکلوتا جوان بیٹا گنوا دیا ہمیشہ کے لئے۔" نصرت آرا کی بڑی بیٹی عصمت آرا روتے ہوئے بولی۔

"امی! صبا کو دکھی کر کے آپ نے ساری زندگی کے لئے اپنا دامن دکھوں سے بھر لیا ہے ختم کر دیں اب یہ نفرت اور لالچ کا کھیل جس میں آپ کا بیٹا اپنی زندگی ہار گیا ہے۔ صبا سے معافی مانگ لیں اگر اس نے سچ مچ آپ کو اس گھر سے نکل جانے کا عدالتی نوٹس بھجوا دیا تو پھر آپ کیا کریں گی؟ کہاں جائیں گی؟" چھوٹی بیٹی رفعت آرا نے سنجیدگی اور رنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے سوال کیا تو وہ گم صم سی حیران پریشان اور قدرے پشیمان سی ان سب کے چہروں کو تکتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

صبا کو سب گھر والوں نے اپنی محبت اپنے ساتھ کا یقین دلا کر کافی حد تک سنبھال لیا تھا۔ خاندان اور محلے والیاں صبا سے شوہر کی موت پر تعزیت کرنے کے لئے آئیں تو اسے ترس کھاتی اور رحم بھری نظروں سے دیکھتیں اور کچھ تو سارے حالات جانتے ہوئے بھی صبا کو منحوس کہنے سے بھی نہ جھجکیں۔ نصرت آرا کی بہن سطوت آرا نے سب کے سامنے کہا تھا۔" صبا تو ہے ہی منحوس پہلے ماں کا سہاگ اجاڑ دیا پھر اپنا سہاگ موت کی وادی میں دھکیل دیا۔ عمر دیکھو اس کی اور اسکی نحوست دیکھو کتنی زیادہ ہے توبہ توبہ۔۔۔۔نصرت کا تو ایک ہی بیٹا تھا اسے بھی اس لڑکی کی نحوست کھا گئی۔"

اور صبا اپنے کمرے میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ پھر رقیہ بانو نے نازش بھابی اور فیروز علی نے اسے بہت محبت سے سمجھا کر سنبھال لیا تھا اور اس نے بھی غموں اور آنسوؤں کی چادر اتار پھینکنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے بیٹے دانیال کے لئے اس نے خود کو مضبوط بنا لیا اور اپنی تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ فیروز علی نے اسے یونیورسٹی میں داخلے کے لئے آمادہ دیکھ کر اس کی بہت حوصلہ افزائی کی وہ اسے پھر سے زندگی کی جانب لانا چاہتے تھے۔ انہیں احساس تھا کہ ان سب نے کم عمری میں اس کی شادی کر کے وہ بھی نصرت آرا کے مزاج کو جاننے کے باوجود اس پر بہت ظلم کیا تھا۔ اور اب وہ اس زیادتی، اس ظلم و اذیت بھرے فیصلے کی تلافی کرنا چاہتے تھے۔ رقیہ بانو نے دانیال کو سنبھال لیا تھا ان کا بھی دل بہل گیا تھا۔ اس کے کام کرتے اس کی شرارتیں دیکھتے دیکھتے وہ اپنا غم بھول جاتی تھیں لیکن صبا کے مستقبل کے بارے میں فکر مند رہتی تھیں۔ وہ اپنی زندگی میں اس کا گھر بستے ہوئے دیکھنا چاہتی تھیں جبکہ صبا نے اب شادی نہ کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ وہ ایک تجربے سے ہی بہت ہراساں اور پریشان ہو چکی تھی۔ اس نے ایم ایس سی کیمسٹری میں داخلہ لے لیا تھا۔ بی ایس سی میں اس نے سائنس گروپ میں ٹاپ کیا تھا اس کی ساری توجہ اپنی پڑھائی اور دانیال کی جانب مبذول ہو گئی تھی۔ صبا کے لئے کئی رشتے آئے ہوئے تھے۔ ایک تو بچے والا تھا، دو کنوارے تھے اچھی جاب کر رہے تھے۔ صبا کو بچے کے بغیر قبول کرنے پر آمادہ تھے۔ ان کی شرط یہی تھی کہ صبا کا بچہ اس کے میکے ہی میں رہے۔ ایک نے صبا کو بچے سمیت قبول کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ اچھا امیر شخص تھا۔ ریاض مجید کے دوست کا بھتیجا تھا عمر میں صبا سے تیرہ برس بڑا تھا۔ رقیہ بانو اس رشتے کو صبا کے لئے مناسب خیال کر رہی تھیں اور قبول کرنا چاہتی تھیں لیکن صبا نے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔

"امی میں شادی نہیں کروں گی۔ مجھے اس شخص پر اعتبار نہیں ہے میں اپنے بیٹے کو سوتیلے باپ کے ظلم کا شکار نہیں ہونے دینا چاہتی اور اسے جانتا کون ہے؟ جنہیں جانتے تھے انہوں نے تو بہت اچھا سلوک کیا تھا نا میرے ساتھ جو آپ مجھے انجان لوگوں میں بیاہنا چاہتی ہیں۔ میں پڑھنا چاہتی ہوں، تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاب کروں گی۔ آپ پر یا بھائی جان پر بوجھ نہیں بنوں گی۔" صبا نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو صبا؟ تم ہماری بہن بیٹی ہو بوجھ نہیں ہو ہم پر ابھی تمہارا بھائی زندہ ہے، تمہارے اور تمہارے بچے کے اخراجات اٹھانے

کی صلاحیت اور اہلیت رکھتا ہے۔ دوبارہ ایسی بات مت کہنا۔" فیروز علی نے بے قرار ہو کر کہا۔

"سوری بھائی جان۔"

"اٹس اوکے۔ تم دل لگا کر پڑھو جاب کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' بس تم خوش رہا کرو۔ میرے لئے تمہاری خوشی بہت اہم ہے۔ شادی قسمت میں ہوگی تو اپنے وقت پر دوبارہ ہو جائے گی۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے زخم ابھی ہرے ہیں' اس لئے اس موضوع کو چھیڑنا مناسب نہیں ہے۔ تمہاری شادی اب تمہاری مرضی سے ہوگی۔ تمہیں جو پرپوزل مناسب لگے جس سے تمہارا دل مطمئن ہو ہمیں بتا دینا پھر ہم اچھی طرح دیکھ بھال کے بعد کوئی فیصلہ کریں گے ٹھیک ہے نا۔" فیروز علی نے اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ یونیورسٹی سے گھر لوٹی تو دانیال کو حسب معمول اپنا منتظر پایا' وہ سات ماہ کا ہو گیا تھا۔ صبا اسے گود میں لے کر پیار کرنے لگی۔ ڈور بیل بجی تو وہ دانیال کو اٹھائے ہوئے ہی گیٹ تک آ گئی۔

"کون ہے؟"

"جی میں فیروز صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" باہر سے ایک مردانہ آواز آئی صبا نے دوربین سے دیکھا اور گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم!" صبا نے اپنے سامنے اونچے لمبے کھلی کھلی گندمی رنگت والے سیاہ آنکھوں میں ذہانت کی چمک لئے کلین شیو خوبرو شخص کو حیرانگی سے دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ میں احسن کمال ہوں پانچ سال بعد لندن سے لوٹا ہوں۔ فیروز کا دوست ہوں کیا ان سے ملاقات ہو سکتی ہے؟" احسن کمال نے اس کے صبیح حسن چہرے کو اور اس کی بانہوں میں ہمکتے پیارے سے دانیال کو دیکھتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

"جی بھائی جان اکثر آپ کا ذکر کرتے ہیں تشریف لایئے۔" صبا نے سنجیدہ مگر اپنے نرم دھیمے لہجے میں کہا تو وہ اندر داخل ہو گئے۔

"شکریہ۔"

صبا آگے بڑھی تو انہوں نے پوچھا۔ "آپ صبا ہیں ناں فیروز کی بہن۔"

"جی ہاں۔" صبا نے رک کر ان کی طرف دیکھا۔

"اور یہ پیارا سا بچہ یقیناً فیروز کا بیٹا ہے۔" وہ دانیال کو پیار کرتے ہوئے بولے جو انہیں دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ بہت ہی خوش مزاج بچہ تھا وہ اجنبی کو دیکھ کر رونے کے بجائے ہنسنے مسکرانے لگتا تھا اور اس کی معصوم مسکراہٹ اور ہنسی دل کو موہ لیتی تھی۔ احسن کمال کو بھی دانیال پر بے اختیار پیار آ رہا تھا۔

"جی نہیں' یہ ان کا بھانجا ہے۔" صبا نے بتایا۔

"او آئی سی۔" احسن کمال کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ صبا تو انہیں بہت گڑیا سی چھوٹی سی لڑکی دکھائی دے رہی تھی اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ فیروز علی کی صرف ایک ہی بہن ہے۔ بچپن میں کبھی صبا کو دیکھا تھا وہ بہت ہی معصوم سی گڑیا جیسی تھی تب بھی۔

"آپ میرڈ ہیں۔"

"جی میں بیوہ ہوں' دانیال میرا بیٹا ہے۔"

"مائی گاڈ۔" احسن کمال بہت دکھ سے بولے۔

"بہت دکھ ہوا ہے مجھے یہ سن کر۔"

"آپ ڈرائنگ روم میں بیٹھیے میں بھائی جان کو بھیجتی ہوں۔" وہ انہیں ڈرائنگ روم تک لاتے ہوئے بولی تو انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"دانیال بیٹا آؤ میرے پاس۔" احسن کمال نے دانیال کی طرف ہاتھ بڑھائے تو وہ ہنستا مسکراتا فوراً ان کی بانہوں کی طرف لپک گیا۔

"بہت پیارا بیٹا ہے۔" احسن کمال نے دانیال کو گود میں لے کر اس کا گال اور ماتھا چوم لیا۔

فیروز علی جو اپنے کمرے میں تھے انہیں اطلاع کرنے کے بعد کچن میں چلی گئی اور احسن کمال کی خاطر مدارت کا اہتمام کرنے لگی۔ چائے کے ساتھ شامی کباب' پیزا' کیک' بسکٹ اور نمکو وغیرہ ٹرالی میں سیٹ کر کے وہ ڈرائنگ روم میں ٹرالی لے کر پہنچی تو رقیہ بانو کو بھی وہاں موجود پایا۔ وہ تینوں اسے دیکھتے ہی ایک دم خاموش ہو گئے تھے۔ فیروز علی نے احسن کمال کو صبا کی شادی اور نصرت آرا کے سلوک سے لے کر جاوید کی موت تک کی ساری کہانی حرف بہ حرف سنا کر افسردہ کر دیا تھا۔ جانے کیوں صبا کو دیکھ کر احسن کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی جسے وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

دانیال کو مجھے دے دیجئے یہ آپ کو چائے نہیں پینے دے گا۔" صبا نے احسن کمال کے پاس آ کر کہا جو دانیال کو اب تک اپنی گود میں بٹھائے ہوئے تھے اور وہ بھی ان کے ہاتھ میں موجود کی چین اور گھڑی سے کھیل رہا تھا۔ خوش ہو رہا تھا۔ احسن کمال نے اپنے موبائل کیمرے میں دانیال کی ہنستی مسکراتی تصاویر محفوظ کر لی تھیں۔

"او کے بیٹا اللہ حافظ۔" احسن کمال نے دانیال کو پیار کرنے کے بعد صبا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ انکی کی چین ہاتھ میں لئے صبا کی گود میں آ گیا تھا۔

"دانیال بیٹا' یہ واپس کریں شاباش۔" صبا نے کی چین بمشکل اس کے ہاتھ سے چھڑا کر احسن کمال کی طرف بڑھائی اور دانیال کو لے کر وہاں سے باہر نکل گئی۔

احسن کمال "ریاض لاج" سے آنے کے بعد سے بلا ارادہ صبا اور دانیال کے متعلق ہی سوچ رہے تھے۔ دانیال کی معصوم ہنسی اور صبا کی آنکھوں میں تیرتی نمی نے انہیں بے کل و بے قرار کر دیا تھا۔ انہیں صبا کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور اس کی کم عمری کی بیوگی پر بہت دکھ ہو رہا تھا۔ اس پر رقیہ بانو کی بیوگی اور صبا کے مستقبل کے متعلق دن رات کی پریشانی نے بھی افسردہ کر دیا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ صبا اور دانیال کے لئے اسقدر دکھی اور متفکر کیوں ہو رہے ہیں؟ وہ کسی بھی طرح سے صبا کے دکھوں کو خوشیوں میں بدلنا چاہتے تھے۔ کیوں؟ اور کیسے؟ یہ وہ نہیں جانتے تھے۔

☐☐☐

"ریاض لاج" کے در و دیوار اور مکین حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھے آج ایک عرصے کے بعد نصرت آرا نے اپنے مرحوم بھائی کے گھر میں قدم رکھا تھا۔ سب اس کا خیال تھا کہ انہیں اپنی زیادتیوں کا احساس ہو گیا ہے اور وہ ان سب سے خاص کر صبا سے معافی مانگنے آئی ہیں لیکن انہوں نے صبا کو دیکھتے ہی حاکمانہ انداز میں کہا۔

"میرا پوتا اور مکان کے کاغذات میرے حوالے کر دو۔ مجھے تمہاری مکاری کا پتا چل گیا ہے۔ جاوید کو شیشے میں اتار کر اس کا مکان اپنے نام کرا لیا تھا نا تم نے' مجھے وکیل نے سب کچھ بتا دیا ہے واپس کرو میرا مکان۔"

"میں نے آپ کو یہاں آنے سے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جاوید نے وہ گھر میرے نام کر دیا ہے۔ آپ نے شاید میری بات کو مذاق یا جھوٹ سمجھ لیا تھا۔"

صبا نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو اس وقت رشید انور ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور نصرت آرا کو دیکھتے ہی بولے۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ یہاں آ کر کوئی فساد مت کھڑا کرنا مگر تم چلی آئیں' کیا کہا ہے تم نے صبا سے بولو۔"

"اپنا حق مانگا ہے۔" نصرت آرا نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

"تمہارا کوئی حق نہیں ہے اب' صبا اور اس کے بیٹے پر اور نہ ہی اس گھر پر' سمجھیں۔ کس منہ سے آئی ہو یہاں اپنا پوتا اور مکان مانگنے؟" رشید انور نے غصے سے کہا تو وہ غصے سے بولیں۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہی' یہ لوگ اگر سیدھی طرح میرا پوتا مجھے نہیں دیں گے تو میں عدالت سے رجوع کروں گی اور صبا پر ایسے ایسے الزام لگاؤں گی کہ عدالت اسے بچے کی پرورش کے قابل نہ سمجھتے ہوئے بچہ اس سے چھین کر مجھے دے دے گی۔"

"اور آپ اس بچے کو اس کی ماں کے خلاف کریں گی اس کے دل میں اس کی ماں اور ننھیال والوں کے لئے نفرت بھریں گی پھوپو جان۔" فیروز علی نے انہیں دیکھتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"رقیہ اپنے بیٹے سے کہو کہ میرے اور صبا کے معاملے میں مت بولے۔"

"کیوں نہ بولے؟ فیروز بھائی ہے صبا کا' آپ کو تو اپنے بیٹے کی موت نے بھی نہیں بدلا۔ نجانے کب عقل آئے گی آپ کو' آپ کی بھی دو بیٹیاں ہیں۔ کسی کی بیٹی کو دکھ اور اذیت دے کر کیا آپ سمجھتی ہیں کہ آپ کی بیٹیاں اپنی سسرال میں خوش رہ سکیں گی۔" نازش نے رقیہ بانو کے بولنے سے پہلے ہی انہیں کھری کھری سنا دیں۔

"جب تک ان کی اپنی کوئی بیٹی میکے آ کر ہمیشہ کے لئے نہیں بیٹھے گی انہیں عقل نہیں آئے گی۔" فیروز علی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"بکواس بند کرو لڑکے' خبردار جو میری بیٹیوں کے متعلق کوئی بات کی ہو۔ زبان کھینچ لوں گی تمہاری۔" نصرت آرا نے غصے سے بولتے ہوئے فیروز علی کو خونخوار نظروں سے دیکھا تو فیروز علی کو ہنسی آ گئی۔

"فیروز بیٹا! تم اس نادان عورت کی غلطیوں کی سزا میری بیٹیوں کو ملنے کی بد دعا مت کرو۔ یہ تو ہے ہی بے عقل اور لالچی عورت میں تم سب سے اس کی زیادتیوں کی معافی مانگتا ہوں۔"

رشید انور نے شرمندگی اور بے بسی سے پر لہجے میں کہا تو وہ نرمی سے بولے۔

پھوپا جان! ہمیں آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بس آپ کی دعائیں چاہئیں۔"

"اور مجھے اپنا پوتا اور مکان چاہئے۔" نصرت آرا نے غصے سے کہا۔ رقیہ بانو صدمے سے گنگ بیٹھی تھیں۔ صبا دانیال کو اپنے سینے سے لگائے پریشان اور ہراساں بیٹھی تھی۔ دانیال میں تو اس کی جان تھی وہ اسے خود سے جدا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

"آپ کو دانیال نہیں مل سکتا اور اسے حاصل کرنے کا جو گھٹیا طریقہ آپ نے بنایا ہے نا آپ اس پر بھی عمل نہیں کر سکتیں۔ کریں گی تو خود گرفتار ہو جائیں گی۔ میں نے آپ کی ساری باتیں اپنے موبائل میں ریکارڈ کر لی ہیں۔" فیروز علی نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو ان کا رنگ اڑ گیا۔

"سن لیا تم نے اب اس عمر میں مجھے بھی ذلیل کراؤ گی اور خود بھی رسوا ہو گی۔ پہلے کیا کم باتیں بنائی ہیں خاندان والوں نے تمہارے بے حس اور لالچی رویے اور سلوک پر جو کسر رہ گئی ہے وہ اب پوری کر لینا۔" رشید انور نے غصے سے نصرت آرا کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بولیں۔

"ہمارے پاس بچا ہی کیا ہے' بیٹا تو یہ ڈائن نگل گئی ہے اب ہمارا گھر بھی ہڑپ کرنا چاہتی ہے۔"

"مجھے آپ کا گھر جس پر جاوید کی بیوہ اور ان کے بچے کی ماں ہونے کے ناطے پورا حق ہے بلکہ یہ دانیال کا حق ہے' نہیں چاہئے نصرت آرا! میں اپنا اور اپنے بیٹے کا حق چھوڑتی ہوں۔ ایک بیوہ اور یتیم کا حق کھانے سے اگر آپ کی روح کو قرار آتا ہے' دل کو سکون مل سکتا ہے تو میں وہ مکان جو قانونی طور پر میرے نام ہے' آپ کے نام منتقل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے علم تھا کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا اس لئے میں نے آپ سے وہ مکان خالی کرنے کا مطالبہ حق رکھتے ہوئے بھی نہیں کیا۔ میں مکان آپ کو دے رہی ہوں لیکن آپ کو اس کے بدلے میں ایک تحریر لکھ کر دینا ہو گی۔"
صبا نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسی تحریر؟"

"یہی کہ آپ مجھ سے دانیال کی کسٹڈی کا مطالبہ کبھی نہیں کریں گی اور نہ ہی اسے مجھ سے چھیننے کے ہتھکنڈے استعمال کریں گی۔ دانیال پر آپ کا کوئی حق نہیں ہو گا۔ جسے آپ نے منحوس قرار دے دیا تھا۔ اس پر آپ اپنی محبت کیونکر نچھاور کر سکتی ہیں۔ پھوپا جان دانیال سے جب چاہیں مل سکتے ہیں لیکن آپ دانیال سے صرف اسی صورت میں مل سکیں گی جب آپ کے دل میں پوتے کی حقیقی محبت جنم لے گی۔ بولئے منظور ہے اگر نہیں تو میں آپ کو عدالت کی طرف سے اپنا مکان خالی کرنے کا نوٹس بھی بھجوا سکتی ہوں۔ پھر آپ کو نہ پوتا ملے گا نہ ہی مکان...... اپنا کوئی ٹھکانہ دیکھ

لیجئے گا۔“ صبا نے نہایت سنجیدہ اور پراعتماد لہجے میں کہا اور سب کو حیران کرنے کے ساتھ ساتھ نصرت آرا کو پریشان کردیا تھا۔ احسن کمال کچھ دیر پہلے ہی آئے تھے اور ان سب کی گفتگو سنتے ہوئے وہیں دروازے پر رک گئے تھے۔ صبا کی ذہانت کے قائل ہوگئے تھے وہ۔

”ٹھیک ہے مکان کے کاغذات لاؤ۔“ نصرت آرا نے لمحے بھر کو سوچ کر کہا تو رشید انور شرمندگی سے سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

”بھائی جان! آپ وکیل کو فون کرکے بلالیں تاکہ یہ معاملہ ابھی طے ہوجائے اور انہیں دوبارہ یہاں آنے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔“ صبا نے فیروز علی کو دیکھتے ہوئے کہا تو احسن کمال باہر سے واپس چلے گئے۔

”او کے......“ فیروز علی نے وکیل کو فون کردیا۔

دانیال سوگیا تھا‘ صبا نے اسے بیڈ پر لٹادیا اور لاکر میں سے مکان کی رجسٹری وغیرہ کا لفافہ نکال لیا۔ جاوید کی فریم شدہ تصویر اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی۔ صبا کی نظر تصویر پر پڑی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر تصویر اٹھالی۔

”سوری جاوید‘ میں آپ کا تحفہ قبول نہیں کرسکتی۔ آپ کا یہ تحفہ میں آپ کے والدین کو لوٹا رہی ہوں۔ میرے خیال میں اس تحفے کی آپ کے ماں باپ کو زیادہ ضرورت ہے اور یقیناً آپ میرے اس عمل سے خوش ہوں گے کیونکہ میں نے آپ کے والدین کے سر سے چھت نہیں چھینی بلکہ انہیں ان کی چھت ہمیشہ کے لئے لوٹا رہی ہوں۔“ صبا نے جاوید کی مسکراتی ہوئی تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا اور جانے کیوں وہ تصویر لاکر میں رکھ کر لاکر بند کردیا تھا۔

”صبا! مجھے تم پر فخر ہے گڑیا۔“ فیروز علی نے ساری کارروائی مکمل ہونے اور نصرت آرا کے نام کاغذات منتقل ہونے کے بعد اس کے سر پر دست شفقت رکھ کر کہا۔

”تھینک یو بھائی جان۔“ وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔

”صبا! میری لاڈلی تُو تو بہت سمجھدار ہوگئی ہے۔ اللہ تیرے سارے غم سارے دکھ دور کردے تجھے ڈھیروں خوشیاں دے۔“ رقیہ بانو اتنی دیر بعد اب بولیں تو صبا کو گلے لگا کر رو پڑی تھیں۔ صبا بھی ایک بار پھر آبدیدہ ہوگئی تھی۔

☐☐☐

کمال احمد اور زرینہ کمال احمد کا تعلق دولت مند گھرانے سے تھا۔ ان کے تین بچے تھے‘ محسن کمال بڑے بیٹے تھے‘ احسن کمال چھوٹے بیٹے ان سے چار سال چھوٹی ایک بہن تھی تسمینہ‘ محسن کمال اور تسمینہ کی شادی اکٹھی ہوئی تھی اور خاندان میں ہوئی تھی۔ محسن کمال کی بیوی ریحانہ کمال احمد کی سگی بھتیجی تھیں۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ تسمینہ کی شادی زرینہ کمال احمد کے بھتیجے زبیر صدیقی سے ہوئی تھی ان دونوں کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ کمال احمد نے اپنی جائیداد اولاد میں تقسیم کردی تھی۔ خود اپنی فیکٹری چلا رہے تھے۔ محسن کمال مل اونر تھے اور احسن کمال نے لندن سے بزنس ایڈمنسٹریشن کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ وہاں کی معروف کمپنی میں تین سال ملازمت بھی کی تھی اور حال ہی میں وطن واپس لوٹے تھے۔ زرینہ کمال احمد اب ان کی شادی کرنے کی خواہش مند تھیں اور انہیں کئی لڑکیاں دکھا چکی تھیں۔ انہیں کوئی لڑکی دل کی دھڑکنوں میں ہلچل مچانے والی لگی ہی نہیں تھی۔ حالانکہ مسز زرینہ کمال احمد نے انہیں ایک سے ایک اچھی خوبصورت پڑھی لکھی اور امیر لڑکی دکھائی تھی اور کئی لڑکیاں تو خود ان سے ایک بار ملنے کے بعد دوبارہ ملنے کے لئے بے تاب ہو رہی تھیں۔ مگر احسن کمال کو جلد ہی احساس ہوگیا کہ انہیں یہ پھول پھول منڈلاتی رنگ برنگی تتلیاں اپنی طرف مائل کرنے میں ناکام رہی ہیں بلکہ وہ معصوم سی بادِ صبا جیسی پاک صاف نکھری نکھری دلکش اور سادہ سی ’صبا ریاض‘ جو ایک فرشتے جیسے بچے کی ماں بھی تھی بری طرح انہیں گھائل کرچکی تھی۔ انہوں نے بہت دنوں تک اپنی اس کیفیت کو جھٹلانے کی سمجھنے کی کوشش کی کہ کہیں یہ جذبہ‘ یہ احساس صبا سے ہمدردی ترس یا رحم کی کوئی شکل تو نہیں ہے لیکن وہ ہر بار اسی نتیجے پر پہنچے کہ وہ سفید لباس میں ملبوس پاکیزہ سی لڑکی ان کے دل میں محبت کی صورت براجمان ہوگئی ہے۔ وہ آنکھیں بند کرتے تو صبا کی صبیح حسین سندر صورت ان کی بند آنکھوں کے پردوں پہ آ کر ٹھہر جاتی۔ آنکھیں کھولتے تو اس کا مرمریں پیکر اپنے پاس چلتا پھرتا خوشبو لٹاتا ہوا محسوس ہونے لگتا۔ بالآخر وہ خود سے ہار گئے‘ اس چھوٹی سی لڑکی کے سامنے دل ہار گئے اور صبا

کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس ارادے میں رحم یا ہمدردی نہیں تھی بلکہ سچا' بے ریا اور پر خلوص جذبہ محبت کارفرما تھا۔ ان کا دل صبا کے ساتھ کے لئے تڑپنے' مچلنے لگا تھا۔ انہیں دانیال کی معصوم ہنسی اور مسکراہٹ بے قرار کرنے لگی تو انہوں نے صبا سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا...... اور پھر صبا اور اپنی ماں کا جواب انہیں بہت جلد مل گیا تھا۔ ایسا جواب جو انہیں دکھ سے دوچار کئے ہوئے تھا۔

احسن کمال یادوں کے بھنور سے نکل آئے اور بے اختیارانہ انداز میں صبا سے ملنے اور دانیال سے کھیلنے کے خیال سے ''ریاض لاج'' کی جانب چل دیئے۔

صبا گھر کے چھوٹے سے لان میں پھولوں' پودوں کو پانی لگا رہی تھی اور دانیال قریب ہی پرام میں بیٹھا کھلونوں سے کھیلنے کے ساتھ ساتھ صبا کی باتوں کی جانب بھی متوجہ ہو رہا تھا۔ ہنس رہا تھا' بول رہا تھا۔

''صبا'' احسن کمال کی آواز قریب سے آئی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا وہ سیاہ پینٹ کوٹ اور بائل گرین کلر کی شرٹ میں ملبوس تھے اور بے حد وجیہہ مگر افسردہ دکھائی دے رہے تھے۔ صبا کا دل بے قرار ہونے لگا تھا جانے کیوں؟ شاید اسے ان کے خلوص اور ان کی ممی کے انکار کا اندازہ ہو گیا تھا۔

''آپ...... آپ کب آئے؟ مجھے پتا ہی نہیں چلا'' صبا نے پانی کا پائپ کیاری میں چھوڑ کر نل بند کرتے ہوئے پوچھا وہ سفید لباس میں ہی ملبوس تھی اب بھی۔

''پتا تو مجھے بھی نہیں چلا صبا کہ آپ کب اور کیسے آئیں اور میرے دل و روح کی دنیا تہہ و بالا کرتی ہوئی میرے وجود میں سما گئیں۔ میں کتنا بے بس ہو گیا ہوں'' وہ افسردگی سے بولے۔

''آپ کی ممی نے انکار کر دیا ناں'' صبا ان کی حالت سے اندازہ لگاتے ہوئے دکھ سے بولی تو انہوں نے حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھا جہاں میک اپ نام کی کوئی چیز نہیں لگی تھی۔ قدرتی حسن کی دولت سے مالا مال تھی وہ بھلا اسے میک اپ کی کیا ضرورت تھی۔

''اقرار تو آپ نے بھی نہیں کیا تھا صبا! مجھے بتایئے صبا! میں کیا کروں؟ میں نہ تو اپنے دل کو سمجھا سکتا ہوں اور نہ ہی اپنی ماں کو سمجھا پا رہا ہوں۔ ایسے کیسے جیئوں گا میں؟'' احسن کمال نے بے بسی سے بھیگتے لہجے میں پوچھا تو وہ تڑپ اٹھی۔

''آپ اپنی ممی کی پسند کی لڑکی سے شادی کرلیں۔''

''پیار میں آپ سے کرتا ہوں اور شادی ممی کی پسند سے کرلوں نو نیور' میں کسی کے ساتھ جھوٹی اور منافقت بھری زندگی نہیں گزار سکتا...... صبا! میں خود مختار ہوں' میری انگلینڈ میں جاب ہے یہاں فیکٹری اور گھر ہے میرے نام اگر آپ میرا ساتھ دیں تو میں آپ کو ممی کی مرضی کے بغیر بھی بیاہ کرلے جا سکتا ہوں وہ بعد میں مان جائیں گی۔ ہم انہیں منالیں گے صبا' پلیز آپ ہاں کردیں۔'' احسن کمال نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''نہیں احسن صاحب! میں پہلے بھی ایک ماں کی مرضی کے خلاف کسی کی بیوی بن کر سسرال جا چکی ہوں۔ وہ میری سگی پھوپھو تھیں انہوں نے میرے ساتھ جو سلوک کیا آپ جان چکے ہیں' میں تو انہیں جہیز میں گاڑی نہیں دے سکی تھی اور آپ کو جہیز میں ایک بچہ بھی قبول کرنا ہو گا جسے آپ کی ممی اور فیملی کبھی قبول نہیں کرے گی۔ میں اپنے بچے کو کسی کے ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بننے دینا چاہتی...... آپ پلیز یہ خیال اپنے دل سے نکال دیں کیونکہ مجھ میں مزید نفرت اور بے حسی برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ میں نے خود کو سنبھال لیا ہے' میں پھر سے بکھرنا نہیں چاہتی۔'' صبا نے نظریں جھکا کر دھیمے پن سے جواب دیا۔

''میں آپ کو بکھرنے نہیں دوں گا صبا بلیومی۔''

''میں بھی آپ کو بکھرنے نہیں دینا چاہتی' اسی لئے کہہ رہی ہوں کہ مجھے اپنانے کا خیال اپنے دل سے نکال دیجئے۔'' صبا نے سنجیدگی سے کہا اور دانیال کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''صبا! میں ممی کو آپ کی امی کے پاس ضرور بھیجوں گا۔''

''آپ ہرٹ ہوں گے اور مجھے دکھ ہو گا۔ میں نہیں چاہوں گی کہ آپ ماں بیٹے کے بیچ میں وجہ تنازعہ میں بنوں۔ ویسے بھی مجھے خوشی کے رنگ

راس نہیں آتے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی اور دانیال کے سر پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔ احسن کمال اپنے موبائل کیمرے میں ان دونوں کی تصاویر محفوظ کر رہے تھے اور صبا کو پتا بھی نہیں تھا۔

''حالانکہ ابھی تو آپ کی عمر رنگوں سے کھیلنے کی ہے اور آپ نے یہ سفید رنگ پہن لیا ہے' سارے رنگوں سے منہ موڑ لیا ہے صبا! آپ ایک بار ہاتھ بڑھا کر تو دیکھیں آپ جان لیں گی کہ دھنک کے ساتوں رنگ آپ کے منتظر ہیں۔ زندگی کے تمام خوبصورت رنگ آپ کو خوش آمدید کہنے کے لئے بے تاب ہیں' پلیز صبا! ایک بار میرا ہاتھ تھام کر تو دیکھیں پلیز۔'' احسن کمال نے اسے بے بسی اور محبت سے دیکھتے ہوئے ملتجی لہجے میں کہا۔

''آپ کیوں مجھے الجھا رہے ہیں؟'' وہ بے بسی سے بولی۔ ''میرے تین پرپوزل اور بھی آئے ہوئے ہیں آپ کی می تو ابھی تک باقاعدہ رشتہ لے کر بھی نہیں آئیں انہیں بھیج دیجئے۔ میں ان سے ملنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گی اور ہاں پہلے آپ امی اور بھائی بھابی سے بات کر لیجئے۔'' وہ صبا کی بات سے خوش ہو کر بولے۔

''تھینک یو صبا! میں ابھی ان سب سے بات کرتا ہوں۔ تھینک یو ویری مچ۔'' وہ خوش ہو کر بولے اور دانیال کو گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے اندر چلے گئے۔ صبا کی آنکھیں آپ ہی آپ بھیگنے لگیں۔

''اللہ میاں! مجھے صحیح فیصلہ کرنے کی ہمت دے۔ میری راہنمائی فرما اور میرے حق میں میرا فیصلہ بہتر فرمانا میں اس مخلص شخص کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی اور خود بھی ہرٹ ہونے سے بچنا چاہتی ہوں اس لئے جو کرنا ہمارے حق میں بہتر کرنا۔'' صبا نے بھیگی آنکھوں سے اللہ سے دل میں دعا مانگی۔

رقیہ بانو فیروز علی اور نازش بھابی کو احسن کمال کا صبا سے شادی کی خواہش کا اظہار کرنا دلی مسرت سے ہمکنار کر گیا تھا۔ ان تینوں کو ہی احسن کمال بہت پسند تھے۔ اب صبا کے لئے آئے ہوئے رشتوں میں سے انتخاب آسان ہو گیا تھا۔ وہ تینوں احسن کمال کو صبا کے لئے مناسب خیال کر رہے تھے۔ احسن کمال نے اپنی ممی کے انکار اور اس کا جواز بھی انہیں بتا دیا تھا۔ ان سے کچھ نہیں چھپایا تھا اور انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ بہت جلد اپنی ممی کو اس رشتے کے لئے راضی کر لیں گے جس سے وہ سب مطمئن ہو گئے تھے جبکہ فیروز علی نے یہ تک کہہ دیا تھا کہ وہ دانیال کو اپنے پاس رکھنے کو تیار ہیں۔ وہ اور نازش اسے اپنی اولاد کی طرح پال لیں گے۔ بس وہ صبا کا گھر بسا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ صبا کو رقیہ بانو اور نازش بھابی کی زبانی یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ میں ایسے کسی شخص سے شادی نہیں کروں گی جو میرے بیٹے کو قبول نہیں کرے گا۔''

''صبا! یہ تمہارے بہتر مستقبل کے لئے سوچا گیا ہے۔'' نازش بھابی نے کہا۔

''اور میرے بیٹے کا مستقبل' وہ کیا ہوگا' کیا سوچے گا وہ بڑا ہو کر کہ میری ماں نے اپنے بہتر مستقبل اور خوشیوں کی خاطر مجھے چھوڑ دیا' خود سے جدا کر دیا' نہیں بھابی میں اتنی خود غرض نہیں ہوں۔ اگر آپ لوگ احسن کمال سے میری شادی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اور ان کے گھر والوں کو میرے بیٹے کو دل سے قبول کرنا ہوگا' ورنہ رہنے دیں مجھے کسی سے شادی نہیں کرنی۔'' صبا نے سنجیدہ لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا' وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

□□□

''زرینہ بیگم! زندگی تو احسن نے گزارنی ہے اگر اسے صبا سے محبت ہے تو کر دیجئے اس کی شادی صبا سے۔ یتیم اور بیوہ کو سہارا دینا تو ویسے بھی ثواب کا کام ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہمارے بیٹے کے دل کی خواہش ہے۔'' کمال احمد ناشتے کی میز پر سب کی موجودگی میں انہیں سمجھا رہے تھے' سوائے زرینہ بیگم کے سبھی کو احسن کمال کی پسند اچھی لگی تھی۔

''لوگ کیا کہیں گے' ہمیں اپنے بیٹے کے لئے ایک بچے والی بیوہ ہی ملی تھی اس کے لئے لڑکیوں کی کوئی کمی ہے کیا؟ میں نے کیا کچھ سوچا تھا اس کے لئے' کیا کیا خواب دیکھے تھے اس کی شادی کے اور اس نے واپس آ کر میرے سارے خواب چکنا چور کر دیئے۔'' زرینہ بیگم ناراض لہجے میں بولیں۔

''ممی! اگر ایسا ہے تو میں واپس لندن چلا جاتا ہوں۔'' احسن کمال نے دکھی ہو کر کہا تو وہ اطمینان سے بولیں۔

''ہاں یہی مناسب رہے گا۔ فی الحال تم لندن واپس چلے جاؤ۔ کچھ دن وہاں رہو گے تو تمہارے سر سے صبا کی محبت کا بھوت بھی اتر جائے گا۔''

''تم مان کیوں نہیں لیتیں احسن کی بات؟'' کمال احمد نے احسن کمال کا افسردہ چہرہ دیکھ کر بیوی سے کہا۔

''کیوں میرا کوئی حق نہیں ہے احسن پر؟'' وہ تنک کر بولیں۔

''تو کیا احسن کا کوئی حق نہیں ہے تم پر؟ بیٹا ہے یہ تمہارا' یہ اپنے دل کی بات' اپنی پسند تم سے نہیں کہے گا' اپنی فرمائش تم سے پوری کرانے کی ضد نہیں کرے گا تو اور کس سے کرے گا؟'' کمال احمد نے زرینہ کمال کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تو وہ نظریں چرا گئیں۔

''ممی! ڈیڈی ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں' آپ چلی جایئے ناصبا کے گھر۔'' محسن کمال نے بھی اس گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے ان سے کہا۔

''ٹھیک ہے چلی جاؤں گی لیکن اگر ان لوگوں نے انکار کیا تو احسن کو بھی میری بات ماننا ہو گی۔'' زرینہ کمال احمد نے سنجیدگی سے پرسوچ انداز میں کہا تو احسن کمال خوش ہو کر بولے۔

''ممی' وہ انکار نہیں کریں گے۔''

''ظاہر ہے وہ کیوں انکار کریں گے' ان کی بیوہ یتیم بچے والی بیٹی کو اتنا اچھا رشتہ مل رہا ہے انہیں اور کیا چاہئے۔'' زرینہ کمال احمد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔'' کمال احمد نے تاسف سے انہیں دیکھا تو وہ ہونہہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

گھر میں صرف نازش اور صبا موجود تھیں۔ فیروز علی اور رقیہ بانو تینوں بچوں کو قریبی پارک میں سیر کرانے کے لئے لے گئے تھے۔ صبا گیٹ بند کرنے کے لئے جانے لگی تو ایک گریس فل سی خاتون جو سبز رنگ کی ساڑھی میں ملبوس تھیں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

''میں مسز کمال احمد ہوں احسن کمال کی ممی' مجھے صبا سے ملنا ہے۔'' مسز زرینہ کمال احمد نے صبا کو دیکھتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

''السلام علیکم آنٹی میں ہی صبا ہوں۔'' صبا نے گھبرا کر کہا۔

''اوہ...... تو تم ہو صبا! میرا تو خیال تھا کہ تم کوئی پچیس تیس برس کی عورت ہو گی دیکھنے میں تو اٹھارہ بیس کی لگتی ہو۔''

زرینہ کمال احمد نے اس کا سر سے پاؤں تلک گہری اور ناقدانہ نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ نازش ان کی آواز سن کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوتے جانے کیوں دروازے پر ہی رک کر ان کی باتیں سننے لگیں۔

''آنٹی! آپ بیٹھ جایئے پلیز۔'' صبا نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

''میں یہاں بیٹھنے نہیں آئی بلکہ یہ دیکھنے آئی ہوں کہ آخر ایسا کیا ہے تم میں جو میرا بیٹا تم پر مرمٹا ہے' مانا کہ کم عمر ہو حسن کی دولت سے مالا مال ہو لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ تم ایک بچے کی ماں ہو اور بیوہ ہو۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔

''تو میں نے اس حقیقت سے کب انکار کیا ہے؟'' وہ ان کی باتوں سے ہرٹ ہوئی تھی بہت ضبط سے بولی۔

''تم اپنی عمر دیکھو اور اپنی حرکتیں دیکھو۔''

''کیا' کیا ہے میں نے؟'' صبا کے دل پر چھریاں چلی تھیں ان کے جملے اور لہجے کی کاٹ سے تڑپ کر سوال کیا۔

''میرے سمجھدار بیٹے کو اپنی زلفوں کے جال میں پھنسا لیا ہے اور پوچھتی ہو کہ کیا کیا ہے؟''

''جن زلفوں کی بات آپ کر رہی ہیں وہ زلفیں تو آج تک آپ کے بیٹے نے دیکھی تک نہیں ہیں۔'' وہ ضبط سے بولی۔

''آنکھیں کیا کم ہیں صور پھونکنے اور ڈبونے کے لئے۔''

''آپ بہت زیادتی کر رہی ہیں آنٹی' صبا سے شادی کی خواہش صرف آپ کے بیٹے کی ہے' صبا آپ کے بیٹے میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔ یہ تو پہلے ہی انکار کر چکی ہے' آپ اپنے بیٹے کو سمجھائیں' میری معصوم بہن کا دل نہ دکھائیں اپنی فضول باتوں سے۔'' نازش بھابی کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ اسی وقت اندر داخل ہوتے ہوئے سپاٹ لہجے میں ان سے مخاطب ہوئیں تو صبا کو کچھ حوصلہ ہوا۔

"اور ہاں' میرے لیئے میرا بیٹا ہی کافی ہے' مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے آپ کو آپ کا بیٹا مبارک ہو۔" صبا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تم نے انکار کیا ہوتا تو وہ مجھے راضی کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ اتنا دولت مند ہینڈسم لڑکا دیکھ کر تو تم جیسوں کی رال ٹپک گئی ہوگی کہ کرلو قابو۔ تمہیں ایک بیوہ اور بچے کی ماں ہوتے ہوئے میرے بیٹے پر ڈورے ڈالتے ہوئے شرم نہیں آئی۔" زرینہ کمال احمد نے بے عزتی کرنے کی انتہا کردی وہ دونوں برداشت کی انتہا پر تھیں۔ شکر تھا کہ رقیہ بانو گھر میں نہیں تھیں ورنہ وہ تو اپنی اکلوتی معصوم بیٹی کے بارے میں ایسی گھٹیا باتیں سن کر مرہی جاتیں اور فیروز علی نجانے کیا کر گزرتے۔ احسن کمال سے ہمیشہ کے لئے دوستی ختم کر لیتے۔ صبا تو صدمے سے زمین میں گڑ گئی تھی۔

"بس کیجئے مسز کمال! برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے' احسن بھائی جیسے نفیس اور سلجھے ہوئے شخص کی ماں تو آپ کہیں سے بھی نہیں لگ رہیں۔ صبا آپ کے بیٹے کو نہیں پھنسا رہی اس کے کئی پرپوزلز موجود ہیں' کوئی کمی نہیں ہے اس میں کہ کوئی اسے قبول نہ کرے لیکن یہ خود ہی آپ جیسی ہستیوں کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔ یہ کوئی لاوارث نہیں کہ آپ نے قبول نہ کیا تو رل جائے گی۔ انشا اللہ صبا کا مستقبل بہت روشن اور تابناک ہوگا۔ آپ یقیناً اپنے شوہر اور بیٹے کو بتائے بغیر یہاں آئی ہیں۔ آپ کے آنے کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ اب آپ تشریف لے جاسکتی ہیں۔" نازش بھابی نے غصے سے بھرے لہجے میں کہا تو وہ شرمندہ سی ہو گئیں۔

"تم مجھے کافی سمجھدار لگتی ہو اب خود ہی ہمارے یہاں آنے سے پہلے انکار کردینا ورنہ احسن کہیں اور بھی شادی نہیں کرے گا۔" زرینہ کمال احمد نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا تو صبا بھی تیز لہجے میں بولی۔

"یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے آنے کی اطلاع دینے کے لئے فون کردیجئے گا آپ کو فون پر ہی انکار کردیا جائے گا تاکہ آپ کو دوبارہ یہاں آنے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ خدا حافظ۔"

اور زرینہ کمال احمد شرمندہ اور کھسیانی سی ہو کر وہاں سے چلی گئیں۔ نازش بھابی گیٹ بند کر کے اندر آئیں تو صبا کو روتے دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔

"صبا! میری جان مت روؤ' اچھا ہوا کہ ان کی اصلیت ابھی سامنے آ گئی۔ شادی کے بعد پتا چلتا تو تمہاری زندگی اجیرن ہو جاتی۔" نازش بھابی نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"بھابی! لوگ ایک بیوہ کے لئے ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ ہمارا مذہب تو یہ درس نہیں دیتا پھر یہ لوگ۔"

"لعنت بھیجو لوگوں پر' انہیں تو خدا ہی سمجھے۔ تم چپ ہو جاؤ تمہارے بھائی جان اور امی جان آتے ہی ہوں گے تمہاری روتی صورت دیکھ کر پریشان ہو جائیں گے۔" وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"بھابی! آپ انہیں کچھ مت بتایئے گا انہیں دکھ ہوگا۔"

"ہاں جو کچھ مسز کمال کہہ گئی ہیں وہ انہیں بتایا تو نہیں جاسکتا ویسے احسن بھائی بہت اچھے انسان ہیں' انہیں بھی دکھ ہوگا وہ تو یہی سمجھیں گے ناں اب کہ انکار تم نے کیا ہے۔" نازش بھابی نے کہا۔

"ہاں لیکن میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے ان کی ماں اور انکے بیچ فاصلے اور دوریاں پیدا ہوں اور وہ پریشانیوں میں گھر جائیں۔" صبا نے گہری سانس لے کر کہا۔

"صبا! احسن بھائی تمہیں اچھے لگتے تھے ناں۔"

"بھابی وہ ہیں ہی بہت اچھے' میں ان تمام پرپوزلز میں سے شاید ان کے لئے ہاں بھی کہہ دیتی لیکن...... میں ان چاہی بہو بن کر ان کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ بھی کب تک مجھے یاد رکھیں گے بالآخر کسی لڑکی کو اپنی شریک حیات چن ہی لیں گے۔ کون کرتا ہے آج کل کسی سے اتنی شدید اور سچی محبت کہ اس کے انتظار میں عمر گزار دے۔" صبا نے پرنم لہجے میں کہا۔

"سچ کہتی ہو لیکن جانے کیوں مجھے احسن بھائی کی آنکھوں میں تمہارے لئے بہت خلوص دکھائی دیا تھا۔ ایک بے غرض محبت کی جھلک تھی ان کی آنکھوں میں تمہارے لئے۔" نازش بھابی نے بتایا۔

''چھوڑیں بھابی وقت خود ہی بتادے گا کہ وہ مجھے کتنا چاہتے ہیں۔'' صبا نے اپنی آنکھیں اچھی طرح رگڑ لیں۔ نازش بھابی بھی سر ہلا کر اٹھ گئیں۔

نازش بھابی نے بہت طریقے سے فیروز علی اور رقیہ بانو کو بتادیا تھا کہ احسن کمال کی ممی اس رشتے کے لئے راضی نہیں ہیں اور وہ ہمیں منع کرنے آئی تھیں۔ وہ دونوں افسردہ تو بہت ہوئے مگر یہ سوچ کر صبر کرلیا کہ جب لڑکے کی ماں ہی صبا کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہے تو زبردستی کا رشتہ جوڑ کر صبا کو مشکل میں کیوں دھکیلا جائے۔ سو جب احسن کمال نے ریاض لاج فون کرکے اپنے ممی ڈیڈی کے آنے کی اطلاع دی تو نازش بھابی نے ان سے مصلحتاً جھوٹ بول دیا۔

''احسن بھائی، مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ صبا نے آپ کے رشتے سے انکار کردیا ہے۔ وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتی اسے ایک ہی تجربے نے ہراساں کررکھا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ آپ اس کا خیال دل سے نکال دیں اور اپنی ممی کی پسند کی لڑکی سے شادی کرلیں وہ کبھی شادی نہیں کرے گی۔''

''تو پھر میں بھی کبھی شادی نہیں کروں گا بتادیجئے گا صبا کو۔'' احسن کمال نے ٹوٹتے لہجے میں کہا۔

''احسن بھائی۔''

''بھابی صبا کو مجھ پر اعتبار ہوتا تو وہ انکار نہیں کرتیں اور جب اعتبار ہی نہیں ہے تو..... خیر میں آتا ہوں ابھی۔'' احسن کمال نے دکھ بھرے لہجے میں کہا اور فون بند کردیا۔

''احسن بیٹا! کرلیا فون صبا کے گھر؟'' زرینہ کمال احمد نے آکر پوچھا۔

''جی ممی۔''

''پھر کب جانا ہے وہاں؟''

''کبھی نہیں۔'' وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئے اور زرینہ کمال احمد فاتحانہ انداز میں مسکرادیں۔ آخر ان کی کوشش رنگ لائی تھی۔

''صبا! آپ ایک بار میرا اعتبار تو کرلیتیں۔'' احسن کمال اس کے مقابل کھڑے بے قراری سے کہہ رہے تھے وہ تو خود کو بڑی مشکل سے سنبھالے ہوئے تھی۔ جانے کیوں دل ان کے لئے تڑپ رہا تھا۔

''آپ پر اعتبار ہے احسن صاحب! لیکن اپنے نصیب پر اعتبار نہیں رہا۔ آپ میری وجہ سے اپنی عمر اپنا وقت مت گنوائیں اور کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کرلیں۔''

''اور آپ..... آپ کیا کریں گی؟''

''میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاب کروں گی۔ اپنے بیٹے کی پرورش کروں گی اسے ایک اچھا انسان بنانے کی کوشش کروں گی۔''

''صبا! بچے کو باپ کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔'' احسن کمال نے سمجھانا چاہا۔

''دنیا میں ہزاروں بچے ایسے ہیں جن کے سر پر باپ کا شفقت بھرا سایہ نہیں ہے وہ بھی تو زندہ ہیں اور میرے دانی کے سر پر تو بھائی جان کا دست شفقت ہے اللہ انہیں سلامت رکھے۔'' صبا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آمین! لیکن صبا ابھی آپ بہت کم عمر ہیں بالکل گڑیا سی ہیں۔ ساری زندگی تنہا کیسے گزار پائیں گی؟ دانیال کو کیسے پالیں گی؟'' احسن کمال نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

''احسن صاحب! جب کوئی لڑکی ماں بنتی ہے ناں تو وہ خود بخود میچور ہوجاتی ہے۔ خواہ سولہ برس کی ہی کیوں نہ ہو۔ اسے اولاد کو پالنے کا ڈھنگ آہی جاتا ہے اور میں تو بیس برس کی ہوں، امی بھائی، بھابی سب میرے ساتھ ہیں اور سب سے بڑھ کر میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔ اس لئے مجھے کسی اور سہارے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔'' صبا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ دل ان دلیلوں کو نہیں مان رہا تھا۔ دہائی دے رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا سینے کی

دیواروں سے سر پٹخ رہا تھا۔
''تو گویا آپ اپنی ضد پر قائم ہیں۔'' احسن کمال نے سرد آہ بھر کر کہا۔
''آئی ایم سوری۔'' صبا نے شرمندگی سے کہا۔
''ٹھیک ہے صبا! جیسے آپ کی مرضی' میں زبردستی کے رشتے جوڑنے کا قائل نہیں ہوں لیکن میری بھی ایک بات آپ کو ماننا ہوگی' آج کے بعد آپ یہ سفید لباس نہیں پہنیں گی۔'' وہ گہری سانس لے کر بولے۔
''جی۔'' صبا نے حیرت سے ان کا چہرہ دیکھا۔
''میری اتنی سی بات تو مان لیجئے۔''
''جی بہتر۔'' جانے کیسا درد تھا ان کے لہجے میں صبا کا دل چیر گیا۔
''تھینک یو یہ رکھ لیجئے۔'' احسن کمال نے اپنے والٹ میں سے اپنا وزٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو اس نے حیران آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کارڈ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔
''اس کارڈ پر میرے یہاں اور وہاں لندن کے تمام کانٹیکٹ نمبرز اور ایڈریسز وغیرہ درج ہیں۔ جب بھی آپ کو لگے کہ آپ اکیلی اور تنہا ہوگئی ہیں۔ کسی قسم کی میری مدد کی ضرورت ہو یا آپ کا دل میرے ساتھ کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کردے تو مجھے ایک بار آواز ضرور دیجئے گا صبا! میں جہاں بھی ہوں گا فوراً لوٹ آؤں گا۔ آپ کو رونے نہیں دوں گا' تنہا نہیں چھوڑوں گا مجھ پر یقین رکھئے گا صبا۔ شب کی تاریکی میں یا دن کے اجالے میں کبھی بھی کسی بھی وقت آپ کو میری چاہ کی' میری محبت اور ساتھ کی ضرورت محسوس ہو تو مجھے ایک بار فون ضرور کیجئے گا میں بارات لے کر پہنچ جاؤں گا۔ اپنے دل کی طلب سے یا حالات کی بے حسی کی وجہ کچھ بھی ہو آپ مجھے پکاریں گی تو اپنے بہت قریب پائیں گی چلتا ہوں۔''
''کہاں جا رہے ہیں آپ؟'' صبا نے بے اختیار بے قرار ہو کر پوچھا۔
''سیٹ کنفرم کرانے' میں واپس لندن جا رہا ہوں۔'' احسن کمال نے اس کے سندر صبیح حسین چہرے کو بغور پیار بھری اور الوداعی نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا تو وہ بے چین ہونے لگی۔
''تو آپ شادی کئے بغیر جا رہے ہیں۔''
''جی ہاں' آیا تو شادی کر کے گھر بسانے اور اپنا بزنس سنبھالنے کے ارادے سے تھا مگر آپ نے تو میرے سارے ارادے ملیامیٹ کر کے رکھ دیئے ہیں۔ اب یہاں رہ کر کیا کروں گا؟ وہاں گھر بھی ہے اور جاب بھی ہے...... آپ ہاں کر دیں گی تو شادی بھی کر لوں گا۔ اوکے صبا اپنا بہت خیال رکھئے گا اور خود کو تنہا مت سمجھئے گا۔ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا' اللہ حافظ۔'' احسن کمال نے اس کے چہرے کو حسرت و محبت سے دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا تو اس کے لب بھی آہستگی سے ہلے۔
''اللہ حافظ۔''
لمحہ بہ لمحہ احسن کمال اس سے دور ہوتے جا رہے تھے بالآخر نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ صبا کو لگا جیسے ایک سائبان سر سے ہٹ گیا ہو۔ دل و روح میں موت کی سی خاموشی چھا گئی تھی وہ مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی جہاں وانیال گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے احسن کمال کا دیا ہوا وزٹنگ کارڈ بغور پڑھا۔ اپنی ڈائری میں تمام نمبرز اور ایڈریس نوٹ کرنے کے بعد کارڈ بھی ڈائری میں ہی رکھ دیا اور بے اختیار ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
نازش بھابی اس کی حالت دیکھ اور رنجیدہ ہو رہی تھیں مگر وہ بھی صبا کی طرح مجبور تھیں وہ احسن کمال کو نہ حقیقت بتا سکتی تھیں نہ ہی لندن جانے سے روک سکتی تھیں۔ بس صبا اور احسن کمال کے محبت بھرے ملن کے لئے دعا ہی مانگ سکتی تھیں سو اب بھی دعا مانگ رہی تھیں خلوص دل سے۔
احسن کمال لندن واپس چلے گئے تھے۔ فیروز علی سے ملے بغیر دل کو سنبھالے بہت دکھی ہو کر گئے تھے۔ زرینہ کمال احمد خوش تھیں کہ احسن کمال

کو صبا کی طرف سے انکار سننے کو ملا ہے اور وہ کچھ عرصہ لندن رہ کر اپنا غم بھول جائیں گے اور واپس آجائیں گے تو وہ اپنی پسند اور معیار کی لڑکی سے ان کی دھوم دھام سے شادی کردیں گی۔ یہ ان کی بھول ہی تو تھی..... صبا کی محبت کی جڑیں احسن کمال کے دل میں کس قدر گہری ہو چکی تھیں وہ اس بات سے قطعی لاعلم تھیں۔

□□□

دھیرے دھیرے وقت گزرتا رہا' صبا نے ایم۔ایس۔سی کیمسٹری میں ٹاپ کیا تھا اور آج کل ایک مقامی کالج میں لیکچرار کی حیثیت سے ملازمت کررہی تھی۔ دانیال کو اس نے اسکول میں داخل کرادیا تھا۔ وہ بہت ذہین اور شرارتی بچہ تھا اس کی شکل صبا اور فیروز علی سے بہت ملتی تھی۔ جاوید کے مین نقش لیکر پیدا ہونے والا دانیال اب ماں اور ماموں کا عکس دکھائی دینے لگا تھا۔ اس عرصے میں صبا کے کئی رشتے آئے جو صبا کے بیٹے کو بھی اپنانے کو تیار تھے مگر صبا ہر رشتے سے انکار کرتی رہی۔ اس کی آنکھیں نجانے کس کی آمد کی منتظر تھیں۔ رقیہ بانو کو صبا کی بیوگی کا غم اس کے اکیلے پن کا دکھ اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔ وہ بیمار رہنے لگی تھیں۔ صبا ان کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن وہ بھی مجبور تھی۔ دل مانتا ہی نہیں تھا کسی کو اپنی زندگی کا مالک بنانے کے لئے۔ ایک شخص نے دل پر دستک دی تھی اور وہ احسن کمال تھا۔ وہ اس کی دسترس میں نہ تھے۔ دل کو کسی اور کی چاہ ہی نہیں تھی۔ جب جب اکیلی ہوتی یا تنہائی محسوس کرتی' احسن کمال کا خوبرو اور مہربان چہرہ اس کی آنکھوں کی پتلیوں میں آکر ٹھہر جاتا۔ سماعتوں میں ان کی مدھر نرم ملائم آواز پیغام دیتی کہ..... "جان! مجھ کو پکار لینا' پکار لینا۔"

"ماما! پاپا کہاں گئے ہیں؟" چار سالہ دانیال نے آج پھر وہی سوال کیا تھا اور ہمیشہ کی طرح اس کا جواب آج بھی یہی تھا۔

"میرے دانی بیٹے کے پاپا دوسرے ملک میں گئے ہیں۔ کام کرنے اپنے بیٹے کے لیئے ڈھیر سارے کپڑے اور کھلونے خریدنے۔"

"سچ ماما" وہ خوش ہو کر بولا۔

"جی ماما کی جان۔" صبا نے اسے گلے لگا کر چوم لیا۔

"ماما' پاپا واپس کب آئیں گے؟"

"جب ہم انہیں دل سے پکاریں گے۔" وہ کسی خیال میں کھو کر بولی۔

"تم انہیں پکار کیوں نہیں لیتیں صبا؟" نازش بھابی نے اس کی بات سن کر کہا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کس کو بھابی؟"

"احسن کمال کو۔"

"وہ بیچ میں کہاں سے آگئے؟" وہ نظریں چرا گئی۔ دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

"تمہارے ہر رشتے سے انکار کے پیچ وہی تو ہیں' میں جانتی ہوں صبا تم آج تک انہیں بھلا نہیں پائیں۔ وہ اس ملک سے تو دور چلے گئے تھے مگر تمہارے من کے بہت قریب آگئے تھے اور تم انہیں تنہائیوں میں اب بھی یاد کرتی ہو۔ کیا یہ اچھا نہیں ہے کہ تم خود انہیں پکارلو؟" نازش بھابی نے اس کی صورت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے انکی ممی کی باتیں سنی تھیں نا۔"

"ہاں لیکن وقت بہت گزر چکا ہے' ممکن ہے کہ مسز کمال کے خیال میں تبدیلی آگئی ہو۔" نازش بھابی نے کہا۔

"اگر ایسا ہوتا تو وہ یہاں آگئی ہوتیں اب تک اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ احسن صاحب نے لندن میں شادی کرلی ہو۔ آخر انہیں بھی زندگی جینے کا حق حاصل ہے۔ وہ میرے انکار کے باوجود اپنی ساری زندگی تنہائیوں کی نذر تو نہیں کرسکتے ناں۔" صبا نے دانیال کو کھلونے دیتے ہوئے کہا۔

"یہ سب باتیں سمجھتی ہو تو تم کیوں انکار کررہی ہو شادی سے' تم بھی اپنا گھر بساؤ اور آرام سے رہو۔"

"بھابی' دل نہیں مانتا تو کیسے کسی اور کے لئے ہاں کردوں۔ میں دل اجاڑ کر کسی کا گھر نہیں بسا سکوں گی۔ دل کی بستی کو کسی کی یاد نے آباد کر رکھا

ہے میں بے بس ہوں بھابی مجھ سے منافقت بھری زندگی نہیں گزاری جائے گی۔" وہ بہت کربناک لہجے میں بولی۔

"تو احسن بھائی کو پکار لینا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم دانی سے کب تک جھوٹ بولو گی کہ اس کے پاپا دوسرے ملک گئے ہیں۔ آخر کو وہ بڑا ہوگا اور طرح طرح کے سوالات کرے گا تب کیا جواب دو گی اسے؟" نازش بھابی نے آہستگی سے سوال کیا۔ دانیال قریب ہی مہوش اور مہروز کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

"تب میں اسے حقیقت بتا دوں گی۔" صبا نے گہری سانس لے کر کہا تو نازش بھابی نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم محبت کرتی ہو نا احسن بھائی سے۔"

"پتا نہیں، لیکن میں جب بھی انہیں سوچتی ہوں خود کو بہت محفوظ محسوس کرنے لگتی ہوں، وہ خود بخود مجھے یاد آتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے تو کبھی انہیں ارادتاً یاد کرنے کی کوشش نہیں کی۔" صبا نظریں جھکائے پوری ایمانداری سے بتا رہی تھی۔

"جو بے ارادہ بے اختیار یاد آتا ہو اس سے محبت کے سوا اور کیا تعلق ہو سکتا ہے صبا؟ میری مانو ساری باتیں چھوڑو اور دل کی آواز غور سے سنو جب دل صرف انہیں پکارتا سنائی دے تو زبان سے بھی تم انہیں پکار لینا۔ دیر مت کرنا اور یاد رکھنا یہ دنیا اکیلی عورت اور وہ بھی حسین عورت کو اکیلے جینے نہیں دیتی۔ یہ معاشرہ اکیلی عورت کو لوٹ کا مال سمجھتا ہے۔ خود کو کسی کی سپردگی میں دے دو صبا! کسی کو اپنی ذمے داری سونپ دو تاکہ تم بھی محفوظ ہو جاؤ۔ دانیال کو بھی باپ کی محبت و شفقت مل جائے اور امی اور ہم سب بھی مطمئن ہو جائیں۔ ہمیں تمہاری بہت فکر رہتی ہے صبا، بے شک تم اپنا کماتی ہو، ہم پر بوجھ نہیں ہو لیکن ہم پر تمہاری دوسری شادی کرانا تو فرض ہے۔ مرد کے بغیر عورت کی نہ کوئی عزت کرتا ہے نہ اس کی عزت محفوظ رہنے دیتا ہے۔ تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا کہہ رہی ہوں؟" نازش بھابی نے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے سوال کیا۔

"جی بھابی، میں یہ سب باتیں جانتی بھی ہوں اور سمجھتی بھی لیکن ڈرتی بھی ہوں اسی لئے کوئی فیصلہ نہیں کر پاتی۔" صبا نے سنجیدگی اور بے بسی سے جواب دیا۔

"ایسا کب تک چلے گا صبا؟"

□□□

"پتا نہیں۔" وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور احسن کمال کی یادوں میں کھو گئی۔

زرینہ کمال احمد کو اب اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا جس نے ان کے بیٹے کو ان سے دور کر دیا تھا۔ وہ احسن کی شادی کرنا چاہتی تھیں اور وہ مسلسل انکار کر رہے تھے۔ انہوں نے اس موضوع پر بات کرنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ زرینہ کمال احمد نے احسن کمال سے جھوٹ تک بول دیا تھا۔ دو سال پہلے کہ صبا کی شادی ہو چکی ہے ان کا خیال تھا کہ احسن کمال صبا کی شادی ہونے کی بات جاننے کے بعد خود بھی گھر بسا لیں گے مگر اس جھوٹ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ احسن کمال نے لندن پہنچنے کے بعد فیروز علی سے رابطہ بھی نہیں رکھا تھا۔ فیروز علی ان کی ممی کے انکار کو اس کا سبب سمجھتے تھے۔ انہیں احسن کمال سے کوئی شکایت نہیں تھی جو شرمندگی کے باعث ان سے رابطہ منقطع کیئے بیٹھے تھے۔

"ریاض لاج" کے مکینوں پر ایک اور قیامت ٹوٹی تھی۔ رقیہ بانو غم سے تو ادھ موئی ہو ہی چکی تھیں اچانک بخار نے آ لیا اور وہ چند روز کی علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔ فیروز علی اور صبا کا تو بہت ہی برا حال تھا۔ نازش الگ اتنی شفیق ماں جیسی ساس کے انتقال پر دل فگار اور اشکبار تھیں، مہوش، مہروز اور دانیال اس کربناک اور دل دوز منظر کو حیران حیران آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ صبا کے سر سے تو ایک بار پھر چھاؤں سرک گئی تھی۔ وہ ماں سے اپنے سارے دکھ سکھ شیئر کر لیتی تھی۔ ان کی آغوش میں سر رکھ کر رو لیتی تھی۔ سو لیتی تھی۔ اب وہ ممتا بھری آغوش ہمیشہ کے لئے اس سے چھن گئی تھی۔ رقیہ بانو کی موت کا سن کر نصرت آراء بھی روتی بلکتی "ریاض لاج" آ گئی تھیں۔ رشید انور تو کبھی کبھار دانیال سے ملنے آ جایا کرتے تھے لیکن نصرت آرا مکان کے کاغذات اپنے نام کروانے کے بعد آج "ریاض لاج" میں آئی تھیں اور رقیہ بانو کی میت کے سرہانے بیٹھ کر ان سے رو رو کر معافی مانگ رہی تھیں۔ صبا سے بھی انہوں نے ہاتھ جوڑ کر اپنی زیادتیوں کی معافی مانگی تھی۔ اسے ریاض مجید کا، ماں کا واسطہ دیا تھا اور صبا نے

انہیں معاف کر دیا تھا۔ نصرت آرا کو اکیلے پن نے بہت کچھ سکھا دیا تھا اپنی لالچی اور ظالمانہ روش سے ہونے والے نقصانات کا ادراک بھی انہیں ہو گیا تھا۔ انہوں نے رب سے اپنی خطاؤں اور گناہوں کی معافی مانگی تھی اور صبا اور دانیال کا حق انہیں لوٹانا چاہتی تھیں لیکن صبا نے انکار کر دیا تھا۔ اس نے رشید ہاؤس پھر سے اپنے نام کرانے سے معذرت کر لی تھی۔ البتہ انہیں دانیال سے کبھی کبھار "ریاض لاج" آ کر ملنے کی اجازت دے دی تھی۔

غموں کی اس دھوپ میں رقیہ بانو کا چہلم بھی ہو گیا تھا۔ گھر میں ایک سناٹا سا چھا گیا تھا۔ پہلے والی رونق ہی نہیں رہی تھی۔ مہوش، مہروز اور دانیال بار بار پوچھتے کہ دادی، نانو کہاں گئی ہیں؟"

"وہ اللہ میاں کے پاس گئی ہیں اب وہ وہیں رہیں گی۔"

صبا بھیگتی آواز میں انہیں بتاتی تو وہ چپ سے ہو جاتے۔ دھیرے دھیرے وہ بھی بہل گئے اور سب معمول کے مطابق اپنے کاموں میں لگ گئے۔ لیکن صبا کو تنہائی ستانے لگی تھی۔ اسے یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو دانیال کا کیا بنے گا؟ بے شک نازش بھابی اور فیروز علی اس کے بیٹے کو اپنے بیٹے کی طرح عزیز سمجھتے تھے، اس کا خیال رکھتے تھے، لیکن حادثہ تو کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ ماں باپ اور شوہر کی اموات دیکھنے کے بعد سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ زندگی پر اسے کوئی بھروسہ نہیں رہا تھا۔ وہ دانیال کو ایک محفوظ پناہ گاہ، محفوظ مستقبل دینا چاہتی تھی لیکن وہ اس کے لئے اس پر بھروسہ کر سکتی تھی جسے چاہا تھا سمجھا تھا بھروسے کے قابل اسے پانا ممکن نہیں تھا اور کسی اور کے ساتھ کے لئے اس کا دل آمادہ نہیں ہوتا تھا۔

فیروز علی اور نازش بھابی کو ایک بار پھر سے صبا کی شادی کی فکر ہونے لگی تھی۔ رقیہ بانو کے انتقال پر خاندان اور محلے بھر کی خواتین آئی تھیں۔ کچھ نے صبا کو اپنی بہو بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ فیروز علی کو ایک رشتہ پسند بھی تھا لیکن صبا نے انکار کر دیا تھا۔

"نازش! تم صبا کو سمجھاؤ، یوں زندگی نہیں گزرا کرتی، مانا کہ وہ اپنا کماتی کھاتی ہے، اپنے پیروں پر کھڑی ہے لیکن مرد کا سہارا بہر حال اس کے لئے ضروری ہے ساری زندگی تنہا نہیں جیا جا سکتا۔ خوشیوں پر اس کا بھی حق ہے، اسے سمجھاؤ کہ ہر خوف اپنے دل سے نکال دے اور کسی کو ہمسفر بنا لے ورنہ زندگی کے اس طویل سفر میں وہ تنہا چلتے چلتے تھک جائے گی۔"

فیروز علی نے نازش بھابی سے کہا صبا جو ابھی کالج سے گھر آئی تھی ان کی باتیں سن چکی تھی اور ان کے اپنے کمرے میں چلے جانے کے بعد اندر آ گئی۔ اسے بھی اب تو بھائی کا سامنا کرتے ہوئے ندامت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ پانچ سال سے ہر آنے والے رشتے کے لئے انکار کرتی آ رہی تھی آخر کب تک؟ اگر فیروز علی نے اس پر سختی کرتے ہوئے اس کی ہاں کا انتظار کئے بغیر اس کا رشتہ طے کر دیا تو وہ کیا کرے گی؟ اس سوال نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"یا اللہ! میں کیا کروں؟ تُو تو میرے دل کا حال جانتا ہے ناں مالک! میرے حق میں بہتر فیصلہ فرما دے۔" صبا نے نماز ادا کرنے کے بعد اشکبار آنکھوں سے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی۔

"احسن کہاں ہیں آپ؟ لوٹ آیئے میں تھک گئی ہوں احسن۔" وہ سونے کے لئے لیٹی تو بے اختیار با آواز احسن کمال کو مخاطب کر بیٹھی۔

"ماما! آپ پاپا کو یاد کر رہی ہیں ناں۔" دانیال نے اس کی بات سن کر کہا تو وہ اپنی بے اختیاری پر حیران رہ گئی۔

"ہاں بیٹا! پتا نہیں کیوں احسن کمال مجھے کبھی بھول ہی نہیں پائے اور اب تو بے اختیاری میں ان کا نام زبان پر آنے لگا ہے کیا ہو گیا ہے مجھے؟" وہ دانیال کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

لہجے میں دکھ

پریشانی اور بے بسی گھلی ہوئی تھی۔

"پیار ہو گیا ہے تمہیں احسن کمال سے۔" دل نے جواب دیا۔

"کیوں جب وہ میری دسترس میں نہیں تھا تو کیوں کی دل نے یہ بے ایمانی' کیوں بھٹک گیا اپنے رستے سے' کیوں طلب کے راستے پہ جا نکلا۔ کیوں اللہ میاں کیوں؟" وہ بے بسی سے سوچتی ہوئی اشک بہا رہی تھی۔ دانیال آنکھیں بند کئے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ صبا کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی وہ تو بس اپنے پاپا کی واپسی کی دعا مانگ رہا تھا۔ جنہیں اس نے آج تک دیکھا بھی نہیں تھا۔ صبا رو رہی تھی۔ اور وہ امن دل احسن کمال کا بھیگ رہا تھا۔ وہ بے چینی و بے قراری کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ کبھی لان میں نکل جاتے اور کبھی بیڈ روم میں آ جاتے۔ انہیں صبا کی یاد بے چین کر رہی تھی۔ پونے پانچ برس کی اس جدائی میں وہ اس کی محبت اور زیادہ شدت سے محسوس کرنے لگے تھے' مغربی ماحول کی آزاد فضا اور بے باک ماحول بھی انہیں اپنی جانب متوجہ نہیں کر سکا تھا۔ شام کا وقت تھا وہ آفس سے لوٹے تھے۔ کپڑے چینج کر کے اپنے لئے کافی بنا کر بیڈ روم میں آ گئے۔ جہاں صبا اور دانیال کی تصاویر جو انہوں نے موبائل کیمرے میں محفوظ کر لی تھی اور بعد میں کمپیوٹر میں سے ان کے پرنٹ نکلوا لئے تھے۔ ان کی یادوں کا مسکن بنی رہتی تھیں۔ انکی صبح صبا کی صورت دیکھ کر ہوتی تھی' تھکن دانیال کی معصوم مسکراہٹ اور ہنسی دیکھ کر دور ہو جاتی تھی اور شب کو وہ صبا کے قرب کا احساس لئے نیند کی وادی میں اتر جاتے تھے۔ لیکن آج کی شام بہت مضطرب تھی اور کیوں نہ ہوتی آج ان کی محبت نے انہیں بے اختیاری میں پکارا تھا۔ احسن کمال کو اپنی کیفیت سے کسی طور قرار نہیں آ رہا تھا۔ کافی کا مگ رکھے رکھے یخ ہو گیا تھا۔ انکا دل چاہا کہ اپنے گھر فون کر کے صبا کی خیریت معلوم کر لیں لیکن اتنے برسوں میں چاہتے ہوئے بھی انہوں نے کبھی اپنے گھر والوں سے بالخصوص اپنی ممی سے صبا کا ذکر نہیں کیا تھا اسی وجہ سے وہ اب بھی گھر فون کرنے سے جھجک رہے تھے۔

"صبا آپ نے پکارا ہے نا مجھے صبا! میرا دل کیوں بے چین ہے آپ رو رہی ہیں ناں۔ بہت عرصے سے میں آپ کے لئے بہت درد محسوس کرنے لگا ہوں۔ صبا اپنا درد اپنا غم مجھ سے شیئر کیوں نہیں کرتیں آپ؟" وہ صبا کی فریم شدہ تصویر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بے قراری سے بولے جیسے وہ تصویر انہیں جواب ہی تو دے دے گی۔

"احسن کمال' صبا کی شادی ہو چکی ہے' وہ بھلا تمہیں کیوں پکارے گی؟" ان کے دماغ نے حقیقت سے آشنا کرانا چاہا۔

"تو پھر یہ بے قراری کیوں ہے' یہ دل کیوں تڑپ رہا ہے صبا کے لئے' اسے صبا کی پکار کیوں سنائی دے رہی ہے' کیوں؟"

وہ بے بسی سے چیخ اٹھے' اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو!" احسن کمال نے فون ریسیو کیا تو دوسری جانب ان کے بڑے بھائی محسن کمال موجود تھے۔ سلام دعا اور بزنس وغیرہ کی باتوں کے بعد محسن کمال نے انہیں بتایا۔

"احسن یار! وہ تمہارے دوست نہیں تھے فیروز علی۔"

"جی بھائی کیا ہوا انہیں؟" احسن کمال کے دل نے ڈرتے ہوئے دھڑکنوں میں بھونچال بپا کر دیا' انہوں نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ آج ایک بزنس میٹنگ میں مجھے ملے تھے۔ میں نے خیریت معلوم کی تو پتا چلا کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"اوہ نو کب کیسے؟" احسن کمال نے دکھی ہو کر پوچھا۔

"یہی کوئی ڈھائی تین ماہ ہو چکے ہیں' بیمار تھیں۔ وہ اور ہاں فیروز علی تمہارا حال احوال پوچھ رہے تھے۔ گلہ کر رہے تھے کہ تم نہ تو ان سے مل کر گئے اور نہ ہی ان سے لندن جا کر کوئی رابطہ رکھا۔ سلام کہہ رہے تھے تمہیں۔"

"وعلیکم السلام۔"

"تم انہیں فون کر کے ان کی والدہ کے انتقال پر تعزیت ضرور کر لینا۔"

"جی میں کر لوں گا فون' او کے بھائی گھر میں سب کو سلام کہیئے گا اللہ حافظ۔" احسن کمال نے اپنی بات مکمل کرتے ہی فون بند کر دیا۔ انہیں اندازہ تھا کہ ماں کی موت نے صبا کو کس طرح توڑ کے رکھ دیا ہو گا۔ وہ تو اسے تسلی دلاسہ بھی نہیں دے سکتے تھے۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔

دن کے دس بجے تھے صبا کالج گئی ہوئی تھی۔ فیروز علی آفس اور تینوں بچے اسکول جا چکے تھے۔ نازش کچن میں دوپہر کے کھانے کے لئے انتظام

کر رہی تھیں، اس دوران ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو۔" نازش بھابی نے آ کر فون ریسیو کیا۔

"السلام علیکم۔" دوسری جانب احسن کمال بول رہے تھے۔

"وعلیکم السلام۔ جی کون صاحب بات کر رہے ہیں؟"

"احسن کمال بات کر رہا ہوں لندن سے۔"

"احسن بھائی! کیسے ہیں آپ؟ اتنے سالوں بعد آپ کو ہماری یاد کیسے آ گئی؟" نازش بھابی نے حیرت و مسرت سے سوال کیا۔

"بھابی! میں آپ لوگوں کو بھولا ہی کب ہوں، بس ہمت ہی نہیں ہو سکی فون کرنے کی...... رات محسن بھائی کا فون آیا تھا ان کی زبانی رقیہ آنٹی کی وفات کا علم ہوا تو یقین جانئے بہت دکھ پہنچا میں نے تعزیت کرنے کے لئے فون کیا ہے۔"

"شکریہ احسن بھائی، بس اللہ کے کام میں کون دخل دے سکتا ہے۔ ہم بھی اس غم سے اب کہیں جا کے سنبھلے ہیں۔ خوشیاں تو جیسے اس گھر کا رستہ ہی بھول گئی ہیں۔ آپ اپنی سنایئے آپ تو خیریت سے ہیں ناں۔" نازش بھابی نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی الحمدللہ میں ٹھیک ہوں فیروز ہیں گھر پر؟"

"نہیں، وہ تو آفس میں ہوتے ہیں اس وقت۔" نازش بھابی نے بتایا۔

"بھابی فیروز سے میرا سلام کہیئے گا اور تعزیت پہنچا دیجئے۔"

"جی ضرور پہنچا دوں گی۔"

"اور بھابی گھر میں سب لوگ خیریت سے ہیں ناں۔" احسن کمال نے صبا کے متعلق پوچھنا چاہا تھا اور نازش بھابی ان کی بات کا مطلب فوراً سمجھ گئی تھیں مسکرا کر بولیں۔

"جی احسن بھائی، اللہ کا شکر ہے بچے اسکول میں ہیں اور صبا نے ایم ایس سی کرنے کے بعد کالج جوائن کر لیا تھا۔ ماشاءاللہ کیمسٹری کی ٹیچر ہے کالج میں۔"

"ویری گڈ۔ صبا بہت ذہین ہیں۔ میری طرف سے انہیں بھی اظہار تعزیت پہنچا دیجئے گا۔" احسن کمال نے صبا کی کارکردگی جان کر خوش ہو کر کہا۔

"آپ صبا سے بات نہیں کریں گے۔"

"بھابی، ہو سکتا ہے کہ صبا اب مجھ سے خود ہی بات نہ کرنا چاہیں، ان کا مجھ سے بات کرنا ان کے شوہر کو برا بھی تو لگ سکتا ہے نا۔ میں صبا کے لئے کوئی مسئلہ نہیں کھڑا کرنا چاہتا۔" احسن کمال نے سنجیدہ اور پرخلوص لہجے میں کہا تو نازش بھابی ان کی صبا کے لئے پرخلوص محبت اور شوہر والی بات پر بیک وقت حیران ہوئی تھیں۔

"احسن بھائی، آپ سے کس نے کہہ دیا کہ صبا کی شادی ہو گئی ہے؟ صبا نے تو شادی کی ہی نہیں ہے، پھر شوہر کا برا لگنا کہاں سے آ گیا بیچ میں؟" نازش بھابی نے بتایا تو وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، ان کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیا بھابی، کیا واقعی صبا نے اب تک شادی نہیں کی؟"

"نہیں احسن بھائی، ہم تو اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے ہیں آج کل بھی اس کے دو تین پرپوزل آئے ہوئے ہیں مگر وہ مانتی ہی نہیں ہے۔" نازش بھابی نے سنجیدگی سے بتایا تو وہ تاسف سے بولے۔

"اومائی گاڈ! تو مجھ سے جھوٹ بولا گیا تھا۔"

"اور یہ جھوٹ یقیناً آپ کی ممی نے آپ سے بولا ہوگا کہ صبا کی شادی ہو گئی ہے ناں احسن بھائی۔" نازش بھابی نے ان کی حیرت پر یقین

لہجے میں کہا تو انہوں نے بھی فوراً اعتراف کر لیا۔
"جی بھابی، لیکن آپ نے اتنے یقین سے کیسے کہی ہے یہ بات؟"
"کیونکہ ان کے کہنے پر ہی ہم نے اور صبا نے آپ کے رشتے سے انکار کیا تھا۔"
"کیا؟"
"جی احسن بھائی۔" نازش بھابی نے دانستہ انہیں ساری حقیقت بتادی تھی اور وہ شرمندگی اور دکھ کی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے تھے۔
"بھابی، آپ لوگوں نے مجھ سے اتنے سال یہ حقیقت کیوں چھپائے رکھی؟" احسن کمال نے دکھی لہجے میں پوچھا۔
"صبا نے مجھے منع کر دیا تھا وہ آپ کے اور آپ کی ممی کے درمیان رنجش کا سبب نہیں بننا چاہتی تھی۔" انہوں نے صبا کے خیالات بھی تفصیل سے احسن کمال کے گوش گزار کر دیئے۔ ان کے دل میں صبا کی محبت اور عزت مزید بڑھ گئی تھی اور ساتھ ہی دل کی بے قراری بھی۔
"احسن بھائی! آپ نے شادی کر لی کیا؟" نازش بھابی نے پوچھا۔
"نہیں بھابی، صبا کے بعد کوئی لڑکی دل و نگاہ میں جچی ہی نہیں، روح میں بسی ہی نہیں تو پھر کیسے کر لیتا شادی؟" وہ بے بسی سے بولے۔
"تو اب تو آپ کو حقیقت کا علم ہو گیا ہے نا اب کیا ارادے ہیں؟"
"بھابی صبا مان جائیں گی کیا؟"
"کیوں نہیں مانے گی؟" نازش بھابی نے فوراً کہا۔ احسن بھائی پانچ سال پہلے بھی صبا اگر کسی سے شادی کے لئے مانتی تو وہ آپ کے لئے مانتی..... لیکن آپ کی ممی نے جس طرح اسے ہرٹ اور بے عزت کیا تھا وہ انکار نہ کرتی تو اور کیا کرتی؟ آپ نے تنہائی کاٹی ہے تو یہ عذاب اس نے بھی تو جھیلا ہے، وہ بہت حساس مخلص اور محبت کرنے والی لڑکی ہے..... آپ اس سے اتنی محبت کرتے ہیں تو کیا پانچ سال گزرنے کے بعد بھی اسے پانے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اپنی ممی کو کیا اب بھی نہیں منا پائیں گے؟" نازش بھابی نے سنجیدگی سے کہا وہ دل سے چاہتی تھیں کہ صبا اور احسن کمال رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں۔
"بھابی، اب تو انہیں ماننا ہی پڑے گا۔ وہ ہر دوسرے دن مجھے فون کر کے واپس آنے اور گھر بسانے کا کہتی ہیں اور اب میں اسی شرط پر واپس آؤں گا وہ صبا سے میری شادی بخوشی کرنے پر راضی ہو جائیں۔ او کے بھابی ان شاء اللہ پھر بات ہو گی۔ خدا حافظ۔" احسن کمال نے پرعزم اور سنجیدہ لہجے میں جواب دیا اور لائن کٹ گئی۔
"یا اللہ! اب تو ہی اپنے کرم سے صبا اور احسن کی شادی کرا دے۔" نازش بھابی نے دل سے دعا مانگی۔ وہ احسن کمال کو ساری حقیقت بتانے کے بعد بہت خوش تھیں۔ صبا کی احسن کمال کے لئے پسندیدگی ان سے پوشیدہ تو نہیں تھی۔ اس لئے چاہتی تھیں کہ اس بار تو صبا کو اس کا پیار مل جائے اور جو اس سے پیار کرتا ہے وہ اسے جلد از جلد اپنا لے۔

◻◻◻

"صبا۔" وہ اپنا آخری پیریڈ لینے کے بعد کالج کے بیرونی گیٹ کی جانب جا رہی تھی کہ اس مانوس سی آواز نے اس کے قدم وہیں جما کے رکھ دیئے۔
"السلام علیکم صبا۔" آواز مزید قریب سے آئی تو صبا نے فوراً گردن گھما کر دیکھا سامنے احسن کمال کا چہرہ تھا بہت دلکش، بہت وجیہہ، مسکراتی آنکھیں، دلنشیں ہونٹوں پر مچلتا تبسم، وہ پانچ سال بعد اس چہرے کو اس پیکر وجیہہ کو اپنے روبرو دیکھ رہی تھی۔ دھڑکنیں پل بھر کو ساکت ہوئی تھیں پھر ان میں تیزی آ گئی۔ آنکھوں میں حیرت سموئے انہیں تکے جا رہی تھی اور احسن کمال اس کی حیرت سے محظوظ ہو رہے تھے۔
"ہیلو۔" احسن کمال نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی تو وہ چونک گئی۔
"آپ۔" اس کے لب آہستگی سے ہلے۔

''جی میں احسن کمال۔''

''آپ......واپس آ گئے۔''

''جی ہاں کسی کی پکار نے دل پر دستک دی تھی سو دوڑا چلا آیا ہوں۔ آپ سنایئے صبا' کیسی ہیں آپ؟'' وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ اس نے بے اختیار معنی خیز جواب دیا۔

''جیسی آپ چھوڑ کر گئے تھے۔''

''واقعی آپ بالکل ویسی ہی ہیں پیاری سی گڑیا سی پانچ سال میں آپ ذرا سی بھی نہیں بدلیں۔'' وہ اس کی اسمارٹنس دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ بھی تو نہیں بدلے۔'' صبا نے ان کے مردانہ وجاہت کی کشش سے پر وجود کو دیکھتے ہوئے کہا وہ تو پہلے سے زیادہ چارمنگ ہو گئے تھے اب۔

''کیا مجھے بدل جانا چاہئے تھا؟'' احسن کمال نے سوال کیا۔

''پانچ سال میں تو بہت کچھ بدل جاتا ہے۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''لیکن سچی اور بے لوث محبت کرنے والوں کے نہ دل بدلا کرتے ہیں اور نہ رستے۔'' احسن کمال نے اس کے وجود کو آنکھوں کی گرفت میں لئے بہت جذبے سے کہا تو صبا نے پلکیں اٹھا کر حیرت سے انہیں دیکھا ان کا چہرہ ان کی بات کی گواہی دے رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں محبت کا سمندر ٹھاٹیں مار رہا تھا۔

''آپ۔'' وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

''صبا! میں آج بھی آپ کا منتظر ہوں شادی کریں گی مجھ سے؟'' احسن کمال نے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس پر انکشاف کیا تو وہ چکرا کے رہ گئی۔ کوئی شخص اتنا انتظار بھی کر سکتا ہے اس کے لئے اس کی محبت بھری رفاقت کے لئے اسے یقین کرنا پڑ رہا تھا کیونکہ احسن کمال ثبوت کے طور پر اس کے روبرو کھڑے تھے۔ اتنے برس کس قدر اذیت سے دوچار کیا تھا اس کے انکار نے وہ یہ سوچ کر ہی شرمندہ ہو گئی اور اب ان کا سوال۔

''مائی گاڈ! احسن صاحب آپ۔''

''احسن صاحب نہیں......صرف احسن کہیئے۔'' وہ اسے نرمی سے ٹوک کر بولے۔

''مجھے ایسا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔''

''میں ایسا ہر حق آپ کو دے رہا ہوں پلیز' یہ تکلف کی دیوار اپنے اور میرے بیچ سے گرا دیجئے صبا! ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔'' احسن کمال نے اس کے چہرے کو والہانہ پن سے دیکھتے ہوئے کرب اور حسرت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بے چین ہو گئی۔

''آپ......واپس کیوں چلے آئے؟''

''آپ نے نہیں پکارا تھا۔''

''نہیں۔'' صبا نے دل پر پتھر رکھ کر نظریں چرا کر جواب دیا۔

''صبا! میری طرف دیکھ کر کہیں۔ کیا میں یونہی چلا آیا ہوں' یہاں کوئی میرا منتظر نہیں ہے جس سے میں رشتہ جوڑنے کی خاطر پردیس سے دوڑا چلا آیا ہوں بتایئے نا صبا؟'' احسن کمال نے بے قراری سے پر لہجے میں پوچھا۔

''احسن صاحب! رشتہ صرف مرد اور عورت یا لڑکے اور لڑکی کے بیچ نہیں جڑتا بلکہ پورے خاندان سے جڑتا ہے۔ لڑکی کا تعلق صرف اپنے شوہر سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے گھر والوں سے بھی ہوتا ہے' گھر اور خاندان کا ایک فرد بھی اگر اس رشتے سے ناخوش ہو تو لڑکی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے

وہ پھولوں کی چاہ میں ساری زندگی کانٹوں پر سفر کرنے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں ان چاہی بہو بن کر آپ کے گھر نہیں جاسکتی' آپ کوئی اچھی لڑکی دیکھ کر اس سے شادی کر لیں۔"

صبا کی نگاہوں میں ان کی ممی کا چہرہ اور سماعتوں میں ان کی تلخ اور زہریلی باتوں کی گونج تھی۔ اس نے دل کی آواز پر کان بند کر کے سپاٹ لہجے میں کہا۔ احسن کمال اس کی بات کا مطلب' اس کے انکار کا سبب خوب جانتے تھے مسکراتے ہوئے بولے۔

"میں اچھی سی لڑکی کو ہی تو دیکھ رہا ہوں' شادی کی درخواست کر رہا ہوں۔"

"ہر درخواست منظور نہیں ہوتی احسن صاحب۔"

"صبا! مجھے نازش بھابی نے ساری حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے' میں ممی کے رویے پر بہت نادم ہوں۔ انہوں نے تو مجھ سے بھی جھوٹ بولا تھا کہ آپ مجھے ناپسند کرتی ہیں اور کسی اور سے شادی کر کے اپنا گھر بسا چکی ہیں۔ میں تو اس کے باوجود کسی کو اپنی زندگی میں وہ مقام نہ دے سکا جو آپ کو دینے کا خواہشمند رہا ہوں۔ صبا میں جانتا ہوں آپ ممی میں اپنی نصرت آنٹی کا عکس دیکھ رہی ہیں لیکن یقین کیجئے وہ ایسی نہیں ہیں۔ ممی نے آپ کی انسلٹ کی تھی آپ کو اپنے رویے اور لفظوں سے بہت ہرٹ کیا تھا۔ جس کا مجھے بہت دکھ ہے ان کے رویے کی میں آپ سے معافی مانگتا ہوں آئی ایم سوری صبا۔" احسن کمال نے سنجیدہ اور ندامت آمیز لہجے میں کہا۔

"آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے ہر ماں اپنی اولاد کے متعلق اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔" صبا نے چلتے ہوئے کہا تو وہ بھی اس کے برابر قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"دانیال کیسا ہے؟"

"ماشاءاللہ بہت ایکٹو' نا ٹی اور انٹیلی جنٹ ہے اب تو اسکول جانے لگا ہے۔" صبا نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"ہوں ویری گڈ۔ صبا آپ کو نہیں لگتا کہ اسے ماں کے پیار کے ساتھ ساتھ باپ کا شفقت بھرا سایہ بھی چاہئے' کیا بتایا ہے آپ نے دانیال کو اس کے پاپا کے بارے میں؟"

"دراصل حقیقت میں نے ابھی اسے نہیں بتائی' وہ ذرا بڑا اور سمجھدار ہو جائے گا تو بتا دوں گی ابھی تو اسے یہی بتایا ہے کہ اس کے پاپا دوسرے ملک میں کام کرنے گئے ہیں اس کے لئے ڈھیر سارے کپڑے اور کھلونے لے کر آئیں گے۔"

صبا نے گیٹ کے احاطے میں کھڑی اپنی کار کے قریب رکتے ہوئے بتایا۔ اس نے اپنی کالج کی تنخواہ سے اور کچھ فیروز علی کی مدد سے کار ایک ماہ پہلے ہی خریدی تھی۔ اب اسے کالج آنے جانے اور مہوش مہروز دانیال وغیرہ کو اسکول چھوڑنے کی سہولت ہو گئی تھی۔

"ویسے غلط تو نہیں بتایا آپ نے دانیال کو۔" احسن کمال نے کہا۔

"جی۔"

"دانیال کو گھر جا کر بتا دیجئے گا کہ اس کے پاپا دوسرے ملک سے واپس اپنے ملک آ گئے ہیں اور اس کے لئے ڈھیر سارے کپڑے اور کھلونے بھی ساتھ لائے ہیں۔" احسن کمال نے اس کے سراپے پر نگاہ بھرپور ڈالتے ہوئے کہا۔

"آپ......"

"میں اب آپ کو مزید تنہا سفر نہیں کرنے دوں گا۔ اپنی ہمسفر بنا کر ہی دم لوں گا۔" انہوں نے اٹل لہجے میں کہا۔

"لیکن......"

"نہیں صبا' اب کچھ نہیں سنوں گا۔ بہت سزا کاٹ لی ہے میں نے' ہجر کا کڑا عذاب جھیلا ہے میں نے' میرا سفر رائیگاں مت کریں۔ ممی اپنے کئے پر اپنے رویے پر بہت نادم ہیں صبا' میں اسی شرط پر واپس آیا ہوں کہ انہوں نے میری بات مان لی تھی وہ تمہیں اپنی بہو بنانے کے لئے تیار ہیں صبا۔" احسن کمال نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں بتایا۔ "وہ مجبوراً مانی ہیں ورنہ پانچ سال بہت ہوتے ہیں سوچنے اور فیصلے کرنے کے لئے۔ وہ ماں ہیں

آخر بیٹے کی ضد مان کر اس کی دوری کو ختم کرنا ہی انہیں مناسب لگا ہوگا' وہ مجھے آپ کی وجہ سے مجبوراً یا مصلحتاً قبول کریں گی۔ دل سے قبول نہیں کریں گی اور میں چوروں کی طرح ان سے منہ چھپاتے نظریں چراتے ہوئے اس گھر میں کیسے رہ پاؤں گی۔ پلیز احسن صاحب! آپ مجھ سے بار بار یہی سوال مت کریں میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی۔'' صبا نے اپنی محبت' خواہش اور خوشی کا گلہ گھونٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''اور ہرٹ کرنا کسے کہتے ہیں؟'' احسن کمال نے زخمی لہجے میں پوچھا تو وہ نظریں چرا گئی اور شرمندہ سی ہو کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے ہارن دیا۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا وہ اپنی گاڑی آگے بڑھا کر لے گئی۔ احسن کمال نے طویل سانس لبوں سے خارج کرتے ہوئے بے بسی سے سرنفی میں ہلایا اور خود بھی باہر اپنی گاڑی میں آ بیٹھے۔

''کتنا انتظار تھا صبا کو احسن کا اب وہ آ گئے تھے۔ اس کی خاطر تو پھر وہی پرانی وجہ رکاوٹ بن کر دیوار بن کر اس کی محبت کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔ وہ احسن کمال کو پھر سے انکار کر کے تڑپ رہی تھی۔ اقرار کرتی تو زرینہ کمال احمد اسے نصرت آرا کا روپ دھارے ہوئے سامنے سے آتی دکھائی دینے لگتیں۔ وہ ایکبار پھر رب کے دربار میں اپنا مقدمہ لیکر حاضر ہو گئی تھی۔ اس سے راہنمائی طلب کر رہی تھی۔ رو رہی تھی' سکون قلب کی فریاد کر رہی تھی۔ محبت کے ساتھ کی التجا کر رہی تھی۔

آج سنڈے تھا۔ چھٹی کا دن تھا وہ آرام سے سو کر اٹھی تھی' رات دیر تک جاگنے کے باعث صبح آنکھ بھی دیر سے کھلی تھی۔ اٹھ کر شاور لیا۔ سفید کلر کا...... کاٹن کا سوٹ زیب تن کیا جس کے قمیص کے گلے اور بازوؤں پر سفید دھاگوں اور موتیوں کا نفیس کام کیا ہوا تھا اور دوپٹے کے پلوؤں پر سفید دھاگے اور موتیوں کی بہار لہرا رہی تھی۔ اس نے بہت عرصے بعد سفید لباس پہنا تھا۔ احسن کمال کی بات مانتے ہوئے وہ سارے شوخ رنگ پہنتی رہی تھی۔ آج یونہی سفید جوڑا پہننے کو دل چاہا تو نہا کے پہن لیا۔ ریشم سے بالوں میں کنگھی کرنے کے بعد آنکھوں میں کاجل کی ہلکی سی لکیر لگائی اور سردی سے بچنے کے لئے ہیٹر کے آگے بیٹھ گئی۔

''ماما...... ماما جانی جلدی سے آئیں دیکھیں کون آیا ہے؟'' دانیال کی خوشی سے بھرپور آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ حیران ہو کر سوچنے لگی کہ کون آ سکتا ہے اس وقت؟'' وہ ہیٹر آف کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ ڈرائنگ روم کے قریب پہنچی تو دانیال خوشی سے دوڑا چلا آیا اس کے ہاتھوں میں کھلونے تھے وہ اس کے پاس پہنچتے ہی خوشی خوشی بتانے لگا۔

''ماما' ماما' پاپا آ گئے ہیں۔ یہ دیکھیں میرے لئے ڈھیر سارے کپڑے اور کھلونے بھی لے کر آئے ہیں۔ دیکھیں ماما اچھے ہیں ناں۔''

''جی بیٹا اچھے ہیں' کہاں ہیں آپ کے پاپا؟'' وہ منتشر ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ دانیال اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

''یہاں ہیں میرے پاپا یہ رہے۔''

''السلام علیکم!'' احسن کمال نے بڑے دلنشین انداز میں مسکراتے ہوئے سلام کیا تو اس نے مرے مرے لہجے میں جواب دیا۔

''وعلیکم السلام۔''

''ماما' پاپا کتنے پیارے ہیں ناں آپ کے جیسے بہت پیارے گورے گورے خوبصورت سے ہے ناں ماما'' دانیال اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلاتے ہوئے خوشی سے بول رہا تھا۔ اس کی خوشی قابل دید تھی۔ مہوش اور مہروز بھی کھلونے دیکھ رہے تھے۔ احسن کمال ان کے لئے بھی کھلونے لائے تھے۔ وہ بھی بہت خوش تھے۔

''ہاں۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی نظریں احسن کمال پر جمی تھیں۔

''پاپا نے مجھے ڈھیر سارا پیار بھی کیا ہے۔ پاپا آپ ماما کو بھی پیار کریں ناں'' دانیال نے اپنی معصومیت اور سادگی میں کہا تو صبا حیا سے تپ کر سرخ ہو گئی اور احسن کمال ہنس دیئے۔

''دانی! جائیں آپ کھیلیں اور آپ دانیال کیلئے یہ سب کیوں لائے ہیں؟'' وہ دانیال کو ڈپٹ کر احسن کمال سے مخاطب تھی۔

''کیونکہ میں ان کا بیٹا ہوں اور یہ میرے پاپا ہیں۔'' احسن کمال کے بولنے سے پہلے ہی دانیال بول پڑا۔
''سنا آپ نے۔'' احسن کمال نے ہنس کر کہا۔
''آپ۔'' وہ نروچ ہوگئی۔
''ارے بابا خفا نہ ہوں آپ کیلئے بھی لندن سے میں بہت کچھ لایا ہوں۔ پیار سمیت لیکن ملے گا تب جب آپ میری گھر والی بنیں گی۔'' احسن کمال نے اس کے اجلے اجلے سراپے کو چاہت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ٹپٹا کر وہاں سے باہر نکل گئی۔
''بیٹا..... آپ تینوں کھیلو میں آپ کی ماما کو منالوں گا۔'' احسن کمال نے دانیال کو پیار کر کے کہا اور باہر چلے آئے۔
صبا ستون کے قریب کھڑی تھی انہیں دیکھا تو خفگی سے رخ پھیر لیا۔
''صبا۔'' احسن کمال نے پیار سے اسے پکارا کہ اس کا دل مٹھی میں آ گیا۔ اس نے ان کی جانب دیکھا تو اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر وہ تڑپ گئے۔
''آپ کیوں کر رہے ہیں یہ سب؟ آپ چلے جائیں گے تو میں کیسے بہلاؤں گی دانی کو؟ کیا جواب دوں گی اسے جب وہ آپ کے متعلق سوال کرے گا کہ آپ کہاں چلے گئے ہیں؟'' صبا نے کانپتی آواز میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔
''دانی! اب آپ سے کوئی سوال نہیں کرے گا کیونکہ میں دانی کو اور اس کی ماما کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔'' احسن کمال نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ حیا سے سرخ چہرہ لئے لب کاٹنے لگی۔
''پلیز جائیے یہاں سے۔'' وہ شرم و حیا سے پانی پانی ہوگئی۔ چڑ کر بولی دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ چہرہ حیا سے گلنار تھا۔
''پہلے یہ بتائیے کہ یہ سفید لباس کیوں پہنا ہے میں مر گیا ہوں کیا؟''
''اللہ نہ کرے۔'' صبا کی زبان بے اختیار پھسل گئی اور وہ اپنی بے اختیاری پر شرمندہ سی نظریں چرا گئی۔ احسن کمال کو اس کی بے اختیاری نے بہت لطف و مسرت سے ہمکنار کیا تھا۔ وہ اس کی کیفیت و حالت سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اس کی اس حرکت پر ہنس پڑے۔
''شرم تو نہیں آتی آپ کو ایک تو فضول بات کر رہے ہیں اوپر سے ہنس بھی رہے ہیں۔'' صبا نے غصے سے کہا تو انہیں بہت اچھا لگا اس کا یہ اپنائیت بھرا خفا خفا سا انداز اور لہجہ۔
''آپ کو دکھ ہوا نا میری اس بات سے۔'' انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''آپ کی بلا سے مجھے دکھ پہنچے یا سکھ پلیز جائیے یہاں سے۔ مجھے تنہا چھوڑ دیں۔'' وہ جھکتی آواز میں بولتی سر پر دوپٹہ اوڑھتی انہیں بے قرار کر گئی۔
''تنہائی کاٹنے لگے تو مجھے پکار لینا۔'' احسن کمال نے اس کے سادہ پرکشش اور باوقار سراپے کو نگاہوں میں سموتے ہوئے کہا اور تیزی سے گیٹ کی جانب بڑھ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے گیٹ عبور کر گئے۔ صبا کا دل احسن احسن پکارتا رہ گیا مگر زبان پر تو جیسے تالے پڑ گئے تھے۔
آج دانیال بہت زیادہ خوش تھا۔ احسن کمال کے لائے ہوئے کپڑے، کھلونے اور چاکلیٹس سب کو یوں دکھا رہا تھا جیسے اسے کوئی قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔ احسن کمال کے جانے کے بعد وہ بار بار صبا سے پوچھ رہا تھا۔
''ماما پاپا کہاں چلے گئے ہیں؟''
''بیٹا وہ اپنے دوستوں سے ملنے گئے ہیں۔'' صبا نے جھوٹ بولا۔
''پاپا واپس آ جائیں گے ناں ماما۔''
''آ جائیں گے۔'' صبا نے لرزتی آواز میں جواب دیا۔
''اور اگر وہ تمہاری اس ہٹ دھرمی کے باعث کبھی لوٹ کر نہ آئے تب کیا کرو گی۔'' نازش بھابی نے پہلی بار اس سے بات کرتے ہوئے لہجے

میں سختی پیدا کی تھی وہ حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

''بھابی.....''

''حد ہوتی ہے صبا! ہٹ دھرمی، بے حسی اور نادانی کی۔ ناقدری اور ناشکری کر کے تم اپنا ہی نقصان کر رہی ہو، کہاں ملے گا اتنا مخلص انسان تمہیں جو تمہاری ایک ہاں کے انتظار میں اپنی زندگی کے ماہ و سال برباد کر رہا ہے۔ تم تو نصرت آرا کے خوف سے ہی باہر نہیں نکل سکیں آج تک۔ کس بات کا بدلہ لے رہی ہو احسن کمال سے؟ ایک تو بیوہ ہو اوپر سے پانچ سال کے بچے کی ماں ہو کون قبول کرتا ہے آج کل محبت اور عزت کے ساتھ ایسی عورت کو..... یہ تو احسن بھائی کی محبت اور کشادہ دلی ہے کہ وہ آج تک تمہارے لئے اپنے دل میں سوفٹ کارنر رکھتے ہیں ورنہ ان جیسے مالدار، تعلیم یافتہ اور ڈیشنگ بندے کے لئے اچھی لڑکیوں کی کوئی کمی تو نہیں ہے۔'' نازش بھابی نے غصیلے لہجے میں کہا تو وہ ان کے انداز و لہجے سے ہرٹ ہوتے ہوئے بولی۔

''میں نے ایسا کب کہا؟''

''تو بار بار انہیں انکار کر کے اپنی اہمیت جتانا چاہ رہی ہو۔'' نازش بھابی نے تیز لہجے میں کہا یہ ان کا انداز تو نہ تھا صبا کو دلی صدمہ پہنچا تھا۔ ماں جیسی دوست بھابی کے اس رویے سے۔ احسن کمال نے نازش بھابی کو فون کر کے صبا کے انکار کا بتا دیا تھا وہ اسی لئے غصے میں تھیں۔

''میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔'' وہ بمشکل بول پائی۔

''لیکن میں چاہتی ہوں کہ اب تم اس گھر سے رخصت ہو جاؤ'' نازش بھابی یہ کہہ کر باورچی خانے میں چلی گئیں اور ڈوبتے ٹوٹتے دل کو سنبھالتے ہوئے اپنے کمرے میں آ کر رو پڑی۔

''بھابی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں صبا! تم کب تک لوگوں کی باتوں اور نگاہوں کا مرکز بنی رہو گی۔ ان کی رحم کھاتی، ہمدردانہ نظروں سے کب تک خود کو بچا پاؤ گی۔ سب تمہیں دیکھ کر آہ بھرتے ہیں، تمہاری کم عمری میں بیوگی اور اکیلے پن پر اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔ اشارے کنائیوں میں شادی کا مشورہ دیتے ہیں۔ کل کو وہ تمہارے کردار پر شک بھی کر سکتے ہیں۔ اور دانیال جو اب احسن کمال کو اپنا باپ سمجھ کر خوشی سے کھل اٹھا ہے اس کے سوالوں کے جواب کہاں سے دو گی؟ اس کا دل اب تمہارے جھوٹے بہانوں سے نہیں بہلے گا۔ کیوں کفران نعمت کر رہی ہو؟ بھابی نے بھی طعنہ دے دیا ہے اب تو..... آخر وہ بھی کب تک ایک بیوہ نند کو اپنے گھر میں برداشت کرتیں۔ وہ تو تمہیں اپنے شوہر کی ذمے داری سمجھ کر پریشان ہی رہیں گی ناں ہمیشہ۔ صبا ہر خوف دل سے نکال دو..... احسن کمال تمہارے ساتھ مخلص ہیں ان کا محبت بھرا ساتھ قبول کر لو۔ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے احسن کمال کا ہاتھ تھام لو۔ اس سے پہلے کہ بھائی کا گھر بھی تم پر تنگ ہو جائے۔ اپنے شوہر کا گھر آباد کر لو'' وہ دل و دماغ کی باتوں پر غور کر رہی تھی اور شاید کسی فیصلے پر پہنچنے ہی والی تھی، اسے اندازہ تھا کہ اس بار اسے اپنی تمام کشتیاں جلا کر جانا ہوگا۔ یہ رسک اسے لینا ہی ہوگا۔ وہ نماز ادا کرنے دعا مانگنے کے بعد مطمئن ہو گئی۔

''ماما اب پاپا مجھے خود اسکول چھوڑنے جایا کریں گے ناں میرے فرینڈز کے پاپا کی طرح؟'' دانیال اس سے پوچھ رہا تھا۔

''جی بیٹا.....'' اس نے دانیال کی پیشانی چوم کر جواب دیا۔

''ماما ہم پاپا کے ساتھ نئے گھر میں جائیں گے ناں۔''

''آپ سے کس نے کہا؟''

''پاپا نے بتایا تھا کہ وہ آپ کو اور مجھے نئے گھر میں لے جائیں گے اور آپ کو دلہن بنا کر لے جائیں گے اور کبھی واپس دوسرے ملک نہیں جائیں گے۔ میں نے پاپا سے پرامس لیا تھا'' دانیال اس کے پہلو میں لیٹا مزے سے بتا رہا تھا۔

''دانی بیٹا سو جاؤ، رات بہت ہو گئی ہے۔'' وہ بھیگی آواز میں بولی۔

''ماما! پاپا کہہ رہے تھے کہ نئے گھر میں میرے دانی بیٹے کا الگ سے پیارا سا کمرہ بھی ہے جہاں دانی کی کتابیں اور کھلونے ہوں گے اور دانی

وہاں مزے سے رہے گا کتنا مزا آئے گا ماما۔ میرا کمرہ الگ سے ہوگا پیارا سا۔'' وہ اپنی معصوم اور خوشی سے چہکتی آواز میں اسے بتا رہا تھا اور اس کے آنسو بہتے چلے جا رہے تھے۔

''آئی ایم سوری احسن! میں نے آپ کے ارمانوں کو بہت نظر انداز کیا ہے۔ بہت دکھ دیا ہے آپ کو بہت آزمایا ہے آپ کو آئی ایم ریئلی سوری۔'' صبا نے دل میں انہیں مخاطب کر کے کہا اور آنسو پونچھ لئے۔ دانیال سو گیا تھا اور اسے نیند نہیں آ رہی تھی وہ کمرے سے باہر نکلی تو لاؤنج کی لائٹ جلی دیکھ کر ٹھٹکی چند قدم آگے آئی تو اس کے کانوں میں نازش بھابی اور فیروز علی کی آوازیں پڑیں۔ فیروز علی کہہ رہے تھے۔

''نازش! ہم صبا کے ساتھ زبردستی تو نہیں کر سکتے نا۔''

''کیوں نہیں کر سکتے ہم اس کے بڑے ہیں' ماں باپ کی طرح پالا ہے ہم نے صبا کو یہ صلہ دے رہی ہے وہ ہماری محبتوں اور شفقتوں کا کہ آج ہمیں اس کی دوسری شادی کرنے کے لئے اس کے جواب کا انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔ کیا کمی ہے احسن بھائی میں جو وہ پانچ سال سے انکار کر رہی ہے۔ اب تو ان کی ممی بھی دل سے صبا کو اپنی بہو قبول کرنے کو تیار ہیں۔ مگر صبا بی بی کا تو دماغ ہی ساتویں آسمان پر پہنچا ہوا ہے اب آسمان سے شہزادہ آئے گا نا اس بچے والی بیوہ کے لئے۔ اتنی ناقدری کر رہی ہے وہ احسن بھائی کی' قدرت کو اگر اس کی یہ ناشکری پسند نہ آئی تو...... ساری زندگی تنہا بیٹھی رہ جائے گی' کوئی نہیں پوچھے گا پھر اسے...... ہم تو اپنے ہیں جو اتنے سالوں سے برداشت کر رہے ہیں۔'' نازش بھابی تیز اور تلخ لہجے میں بول رہی تھیں اور صبا کے وجود کی پندار کی دھجیاں بکھرتی جا رہی تھیں۔

''او ہو نازش' بس کرو وہ کونسا ہم پر بوجھ ہے اپنا کماتی کھاتی ہے بلکہ مہوش اور مہروز کے لئے بھی شاپنگ کرتی ہے' کیا کہتی ہے وہ تمہیں؟'' فیروز علی نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ غصے سے بولیں۔

''وہ مجھے کیا کہے گی دنیا تو کہتی ہے نا کہ بھاوج نند کی دوسری شادی نہیں ہونے دیتی اس کی کمائی کھا رہی ہے' بری تو میں ہی بن رہی ہوں ناں' آخر کو بھابی ہوں' بھابی تو سونے کا نوالہ بھی کھلا دے تب بھی نندوں کے حق میں بری ہی کہلاتی ہے۔''

''اچھا چھوڑو اس قصے کو۔''

''کیسے چھوڑ دوں آج فیصلہ ہو کر ہی رہے گا صبا کی شادی ہو کر ہی رہے گی۔ اسے احسن بھائی سے شادی نہیں کرنی نہ کرے' میری ایک دوست نے اپنے بھائی کے لئے صبا کا رشتہ مانگا ہے' صبا کو ساس کا ڈر بھی نہیں ہوگا۔ لڑکا عمر کا ذرا زیادہ ہے مگر اکیلا ہے اچھا کماتا ہے ساس سسر نہیں ہیں' ایک بہن ہے وہ بھی شادی شدہ ہے اکیلی رہے گی' دانیال کو بھی باپ کی محبت مل جائے گی۔ وہ بھی اکثر سوال کرتا ہے میرے پاپا گھر کیوں نہیں آتے؟ ہمارا الگ گھر کیوں نہیں ہے؟ میرے پاپا اور بچوں کی طرح مجھے اسکول کیوں نہیں چھوڑنے جاتے؟ میں اکیلا کیوں ہوں میرا کوئی بھائی بہن کیوں نہیں ہے؟ عمر کے ساتھ ساتھ اس کے سوالات بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ جو صبا کے لئے مشکلات پیدا کریں گے...... صبا لاکھوں اور کروڑوں بھی کمانے لگے نا تو بھی رہے گی تو ایک عورت ہی نا اور اکیلی عورت اس معاشرے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھی جاتی۔ آپ سن رہے ہیں میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

''ہاں سن رہا ہوں تم صحیح کہہ رہی ہو کوئی ساتھی' کوئی ہمسفر ہونا چاہئے ورنہ زندگی مشکل اور دشوار ہو جاتی ہے۔'' فیروز علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''صبا کی عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ مرد کا سہارا عورت کے لئے کتنا ضروری ہوتا ہے' کوئی آپ کو اپنی ذمے داری سمجھنے والا' آپ کا خیال رکھنے والا' دکھ سکھ شیئر کرنے والا' محبت دینے والا تو ہوگا جس بیٹے کو آج وہ اپنا بازو اور سہارا کہہ رہی ہے کل کو وہ بھی دنیا کی بھیڑ میں گم ہو جائے گا' اپنے بیوی بچوں اور دوستوں سے فرصت نہیں ملے گی اسے پھر صبا کو احساس ہوگا کہ اس نے شادی نہ کر کے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ اب تو اس کے حسن کا چاند چمک رہا ہے اور لوگ اسے اپنانا بھی چاہ رہے ہیں۔ کل کو ذرا سا گہن لگا تو اسے کوئی پوچھے گا بھی نہیں کہیئے اس سے احسن بھائی کے لئے ہاں کر دے' کیوں ان کی اور دانیال کی زندگی بھی برباد کرنے پر تلی ہے۔ دانیال تو احسن کمال کو اپنے پاپا کے روپ میں دیکھ چکا ہے اب وہ کسی اور کو قبول بھی نہیں

کرے گا۔" نازش بھابی نے تیز لہجے میں کہا۔

"ہاں یہ تو ہے خیر تم فکر نہ کرو انشااللہ صبا بہتر فیصلہ کرے گی۔ مجھے اس سے کسی نادانی کی توقع نہیں ہے۔ میں سمجھاؤں گا اسے۔ تم اٹھو رات بہت ہوگئی ہے مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" فیروز علی نے کہا تو صبا دبے پاؤں اپنے کمرے میں چلی آئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے نازش بھابی کی باتوں نے بہت دکھ دیا تھا لیکن اسے یہ بھی احساس ہو رہا تھا کہ وہ حرف بہ حرف درست کہہ رہی تھیں۔ وہ تو اس کی بہتری کے لئے سوچ رہی تھیں اور فیصلہ تو وہ کر ہی چکی تھی۔ دل و دماغ ہی نہیں روح بھی احسن کمال کے ساتھ کے لئے تڑپ رہی تھی۔ اس نے اللہ کا نام لے کر اپنا موبائل اٹھایا اور ڈائری میں سے احسن کمال کا سیل نمبر دیکھ کر ملا لیا۔ انہیں پکار لینا اب بہت ضروری ہو گیا تھا۔ احسن کمال نے بھی جاتے وقت کہا تھا کہ مجھے پکار لینا۔

رات کا ایک بج رہا تھا۔ احسن کمال تھوڑی دیر پہلے نیند کی وادی میں اترے تھے۔ صبا کے انکار پر بے قرار سے سوچتے، تڑپتے رہے تھے گھنٹوں۔ اب تھک کر سوئے ہی تھے کہ موبائل کی بپ نے ساعتوں کو بیدار کر دیا۔ موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ انہوں نے آنکھیں بند کئے کئے ہی ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور آن کر کے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔"

"احسن۔" صبا نے بے قراری سے پکارا تھا۔

"صبا۔" احسن کمال اس کی آواز سنتے ہی پوری طرح بیدار ہو کر جھٹکے سے اٹھ بیٹھے تھے۔

"احسن! آئی ایم سوری۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔

"آئی لو یو کہنے میں کیا حرج ہے ہاں؟" وہ اس کے اقرار کی پکار کی خوشی سے شرارت سے بھرے لہجے میں استفسار کر رہے تھے وہ حیا سے سرخ ہوگئی۔

"اچھا یہ بتایئے کہ کب بارات لے کر آؤں؟" احسن کمال نے خوشی سے مسکراتے لہجے میں پوچھا تو وہ حیرت و مسرت سے رو پڑی وہ اس کے فون کرنے کا مقصد اس کے کہے بنا کیسے جان گئے تھے۔ اسے کچھ بھی کہنے کی زحمت سے بچا لیا تھا انہوں نے۔ صبا کا دل ان کے پیار پر شاداں و رقصاں تھا اس سمے۔

"جب آپ کا دل چاہے۔" صبا نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"دل تو چاہ رہا ہے کہ ابھی آ جاؤں لیکن مجبوری یہ ہے کہ اس وقت رات کا سوا بج رہا ہے۔" وہ خوش ہو کر بولے۔

"اوہ سوری احسن! مجھے وقت کا خیال ہی نہیں رہا۔ میں نے آپ کی نیند خراب کر دی آپ کو بے وقت جگا دیا۔" وہ شرمندہ ہو کر بولی۔

"صبا جی! نیندیں تو آپ نے ہماری پانچ سالوں سے اڑا رکھی ہیں۔ رت جگے کی عادت سی ہوگئی ہے۔ اب مستقبل میں یہ رت جگے میرے کام آئیں گے جب آپ یہاں ہوں گی میرے پاس، میرے قریب۔" احسن کمال نے شوخ و شریر لہجے میں کہا تو وہ شرم و حیا سے گلنار ہوگئی۔

"شب بخیر۔" صبا نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا اس کی اس شرمیلی ادا پر وہ ہنس پڑے۔

"او صبا آئی لو یو ہنی۔" احسن کمال نے خوش ہو کر ریسیور کا ایئر پیس چوم لیا۔ جہاں سے صبا کی دلنشین آواز آئی تھی اور انہیں زیست کا پیغام سنا گئی تھی۔ پھر انہوں نے وقت کی پروا کئے بغیر فیروز علی کا سیل نمبر ملا لیا آخر انہیں اس خوشخبری سے آگاہ بھی تو کرنا تھا۔

نازش بھابی نے فیروز علی کو اعتماد میں لے کر دانستہ صبا کو وہ سب باتیں سنائی تھیں اور رات کو بھی اسے آتے دیکھ چکی تھیں جبھی فوراً سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے مطابق فیروز علی سے اس کے متعلق بات کر دی تھی۔ مقصد محض اسے احسن کمال سے شادی کے لئے راضی کرنا تھا۔ صبا تو پہلے ہی ان کے حق میں فیصلہ کر چکی تھی۔ بس جھجک اور ڈر رہی تھی۔ نازش بھابی کی باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور صبا نے فوراً ہاں کر دی اور احسن کمال کے ذریعے صبا کی ہاں کا علم ہونے پر نازش بھابی اور فیروز علی خوشی سے کھل اٹھے تھے۔

''دیکھا میری پلاننگ کا کمال' جو ہاں صبا کو دنوں سوچنے کے بعد کرنی تھی یا شاید نہ بھی کرتی وہ ہاں اس نے منٹوں میں کر دی ہے۔'' نازش بھابی نے شوہر کو فخریہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''مان گئے آپ کی پلاننگ کو لیکن صبا کو حقیقت ضرور بتا دینا میں نہیں چاہتا کہ وہ اپنے دل میں تمہارے لئے شکوے گلے اور ناراضگی لے کر رخصت ہو۔'' فیروز علی نے مسکرا کر سنجیدگی سے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں کل احسن بھائی کے گھر والے شادی کی تاریخ لینے آ رہے ہیں اس مبارک موقع پر میں صبا کو بتا دوں گی اسے دکھ تو ضرور ہوا ہو گا لیکن عمر بھر کے دکھ سے بچانے کے لئے یہ معمولی دکھ دینا ضروری تھا۔'' نازش بھابی نے نرمی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''نازش مجھے تم پر فخر ہے تم نے ماں بن کر صبا کے لئے سوچا اور کیا ہے اس کی دوست بن کر اس کا دکھ شیئر کیا ہے تھینک یو نازش تھینک یو ویری مچ۔'' فیروز علی نے ان کا ہاتھ تھام کر محبت' تشکر اور عقیدت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے صبا آپ کی ہی نہیں میری بھی بہن ہے۔ مہوش جیسی ہے میرے لئے اور میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔'' وہ خوشی سے بولیں۔

اگلے روز ''ریاض لاج'' میں خوشیوں کی بارات اتری تھی۔ زرینہ کمال احمد' کمال احمد' محسن کمال ان کی بیوی ریحانہ' احسن کمال ان کی چھوٹی بہن تہمینہ ان کے شوہر زبیر صدیقی پھول اور مٹھائی کی ٹوکریاں لے کر احسن کمال کے لئے صبا کا رشتہ مانگنے بلکہ شادی کی تاریخ لینے آئے تھے۔ زرینہ کمال احمد نے صبا سے اپنے رویے کی دل سے معافی مانگی تھی اور صبا نے بھی انہیں دل سے یقین دلایا تھا کہ اسے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ ہلکے گلابی رنگ کے نفیس کامدار سوٹ میں گلابی میک اپ میں وہ گلاب کا پھول لگ رہی تھی۔ احسن کمال اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مہوش' مہر وز اور دانیال تو بہت ہی خوش تھے۔ دانیال تو احسن کمال کی گود میں بیٹھا اٹھکیلیاں کر رہا تھا۔ اور پھر زرینہ کمال احمد اور کمال احمد نے صرف پندرہ دن بعد شادی کی تاریخ طے کرا کے نازش بھابی اور فیروز علی کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے تھے۔ انہوں نے تیاری کے لئے وقت مانگا تو کمال احمد اور زرینہ کمال نے صاف کہہ دیا۔

''ہمیں جہیز کے نام پر کچھ نہیں چاہئے' اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے بیٹے کے پاس' ہمیں تو صرف تین کپڑوں میں صبا چاہئے اور دانیال بیٹے سے بڑھ کر قیمتی تحفہ کیا ہو گا ہمارے لئے۔''

اور صبا اپنے بیٹے کے لئے ان کی محبت دیکھ کر خوشی سے آبدیدہ ہو گئی اور رب کے حضور سجدۂ شکر بجا لائی۔

''احسن ولا'' میں کہکشاں کا سماں تھا۔ نیا گھر' نئے رشتے' نئے جذبے اور نئی امنگیں دلوں میں جگائے ہر کوئی صبا احسن کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ دلہن بن کر صبا پر پہلے اتنا روپ نہیں آیا تھا جتنا دوسری بار دلہن بننے پر آیا تھا۔ اس شان سے احسن کمال اسے بیاہ کر لائے تھے کہ صبا کے پورے خاندان' محلے دار' دوست احباب سبھی دنگ رہ گئے تھے۔ پچیس سالہ صبا شاکنگ پنک کلر کے بہت ہی خوبصورت عروسی جوڑے اور طلائی زیورات میں سجی سنوری چھوٹی سی گڑیا لگ رہی تھی۔ بتیس سالہ احسن کمال شیروانی سوٹ میں دولہا بنے قیامت ڈھا رہے تھے' کتنی ہی نظروں میں اس جوڑے کے لئے تعریف ستائش تھی۔ زرینہ کمال احمد اور فیروز علی نے ان دونوں کا صدقہ بھی اتارا تھا۔ نازش بھابی نے ماں کی طرح صبا کو رخصت کیا تھا۔ صبا کو اپنی باتوں کی وجہ بھی بتا دی تھی۔ صبا ان کی بہت ممنون تھی۔ نازش بھابی اور فیروز علی نے صبا کو رخصت کرنے کے بعد شکرانے کے نفل ادا کئے تھے۔ وہ دونوں اپنا فرض ادا کر کے بہت خوش تھے۔ صبا ایک شاندار استقبال' رسموں اور فوٹو سیشن کے بعد حجلہ عروسی تک پہنچی تھی۔ احسن کمال بھائی' بھابی' بہن اور کزنز سے جان چھڑا کر کمرے میں آئے تو دانیال کو صبا کے پاس بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکے۔

''دانی بیٹا' آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''میں ماما کو دیکھ رہا ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''بیٹے' آج کی رات آپ کی ماما کو دیکھنے کا حق صرف مجھے حاصل ہے۔ آپ تو روز ہی دیکھتے ہو۔ چلو شاباش اپنے کمرے میں جا کر سو دادو

آپ کو ڈھونڈ رہی ہیں۔" احسن کمال نے اسے گود میں اٹھاتے ہوئے پیار سے کہا تو صبا کے دل میں جلترنگ بجنے لگے تھے۔ وہ حیا سے سر اور نظر جھکائے لبوں پر شرمیلی مسکان سجائے بیٹھی تھی اور احسن کمال کی نگاہیں اس کے چہرے پر بھٹک رہی تھیں۔ دل میں جذبات نے ہلچل مچادی تھی۔

"پاپا! ماما دلہن بن کے کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں ناں۔"

"ہاں بھئی خوبصورت کیوں نہیں لگیں گی آخر آپ کے پاپا کی دلہن ہیں چلو اب بھاگو یہاں سے۔" انہوں نے اس کا گال چوم کر نیچے اتار دیا۔

"ایک شرط پر۔"

"ہیں یعنی تم بھی کچھ لئے بغیر نہیں ٹلو گے۔" احسن کمال نے اس انداز سے کہا کہ صبا کے ہونٹ مسکرانے لگے۔ اس نے نگاہ اٹھا کر ان دونوں کو دیکھا۔ دانیال بھی شیروانی سوٹ میں خوب جچ رہا تھا۔

"نہیں باقی انکل آنٹیوں نے تو آپ سے ڈھیر سارے پیسے لئے ہیں میں تو صرف چاکلیٹ لوں گا۔"

دانیال نے بہت ادا سے کہا۔ صبا کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ احسن کمال کا دل گدگدانے لگا' بے اختیار اس کے چہرے کو دیکھا تھا جو ہنسی کے تازہ پھولوں سے مزید کھل کر حسین تر ہو گیا تھا۔ پہلی بار اس کی ہنسی کی آواز ان کے کانوں نے سنی تھی اور دوبارہ سننے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔

"یار دانی! ابھی تو چاکلیٹ نہیں ہے ایسا کرتے ہیں کل بازار چلیں گے آپ اپنی پسند سے چاکلیٹ خرید لینا اور بھی جو کچھ خریدنا ہو مجھے بتانا میں آپ کو لا کر دوں گا۔" احسن کمال نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔

"جو کہوں گا لا کر دیں گے ہیں پاپا۔" دانیال نے معصومیت سے سوال کیا۔

"جی ہاں پاپا کی جان آپ کہہ کر تو دیکھو۔" احسن کمال نے پیار سے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"تو پاپا آپ مجھے ایک بہن' بھائی لا دیں میرے سارے دوستوں کے بہن بھائی ہیں۔ مہوش اور مہروز بھائی بھی دو ہیں اور میں اکیلا ہوں۔ میرا کوئی بھائی یا بہن ہے ای نہیں۔ جس طرح سب بچوں کے بہن بھائی ہیں اور وہ ان کے ساتھ کھیلتے ہیں۔" دانیال نے معصومیت اور سادگی سے اپنی فرمائش کا اظہار کیا اور صبا شرم وحیا سے کٹ کر رہ گئی اف بچوں کی معصومیت بھی کبھی ماں باپ کو کتنا شرمندہ کراتی ہے۔

"اف دانی بیٹے' ایسی باتیں کرتے ہیں کوئی جائیں جا کر سو جائیں۔" صبا نے اسے دیکھتے ہوئے حیا سے مزید سرخ ہوتے ہوئے آہستگی سے کہا تو احسن کمال اس کی کیفیت وحالت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔

"بھئی فرمائش تو ہمارے بیٹے کی بہت جائز ہے اور انشاء اللہ ہم ضرور پوری کریں گے کیوں مسز احسن میں صحیح کہہ رہا ہوں ناں۔"

"پرامس پاپا۔" دانیال خوش ہو کر بولا' صبا کی جان پر بنی تھی۔

"اوکے بیٹا جانی چلو اب سونے کی تیاری کرو۔" احسن کمال نے اسے گود میں اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

"شب بخیر ماما آئی لو یو ماما پاپا' ماما کو پیار تو کیا ای نہیں۔" دانیال نے صبا کو دیکھتے ہوئے کہا وہ ہمیشہ اسے بوسہ دیتا تھا رات کو سونے سے پہلے اور صبا اس کا ماتھا چوم کر اسے گڈ نائٹ کہتی تھی۔

دلہن کی خوبصورت سیج پر بیٹھی وہ دل ہی دل میں رب کے حضور سجدہ شکر ادا کر رہی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد احسن کمرے میں آئے تو شیروانی کی قید سے آزاد ہو چکے تھے۔ جلدی سے کپڑے چینج کر کے صبا کا رونمائی کا گفٹ لے کر اس کے روبرو آ بیٹھے۔

"سوری صبا! دیر ہو گئی دراصل دانیال میرا ہاتھ پکڑ کر سونے لیٹا تھا۔ وہ سویا ہے تو میں آیا ہوں۔" انہوں نے اس کے چہرے کو جاں نثار نظروں سے دیکھتے ہوئے بتایا۔

"آپ اس کی عادتیں بگاڑ دیں گے۔" صبا نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔

"خیر عادتیں تو ہم آپ کی بھی بگاڑ دیں گے پتا ہے کیسے؟" احسن کمال نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو صبا نے اپنی گھنیری پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

”صبا! میں آپ کو اتنا پیار دوں گا' اتنا پیار دوں گا کہ آپ کے لئے میرے بغیر ایک پل بھی رہنا محال ہو جائے گا۔“

”وہ تو یوں بھی ہو جائے گا۔“ صبا نے معنی خیز جملہ کہا۔

”کیا؟“ احسن کمال خوش گمانیوں میں گھر گئے۔

”دانیال کے لئے آپ کے پیار میں آپ کی بے حد ممنون ہوں۔“ صبا نے بات کا رخ دانیال کی طرف موڑ دیا۔

”کیسی غیروں کی سی بات کی ہے آپ نے۔ کیا دانیال میرا بیٹا نہیں ہے؟“

”ہے مگر۔“

”صبا مجھے آپ سے اس بات کی ہرگز توقع نہیں تھی۔“ احسن کمال نے سنجیدگی سے کہا اور خفگی کے سے انداز میں اٹھ کر جانے لگے۔

”احسن۔“ صبا نے بے اختیار انہیں پکارا اور ساتھ ہی ان کا ہاتھ بھی تھام لیا۔ احسن کمال کی معمولی سی خفگی پل بھر میں ہوا ہو گئی۔

”جی جان احسن۔“ وہ ایکدم سے شرارت سے اس کے قریب ہو کر بولے تو وہ شرما کر ہاتھ کھینچنے لگی تھی مگر احسن کمال اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

”تمہاری زبان سے اپنا نام سن کر میں تازہ دم اور نہال ہو گیا ہوں کتنا ترسا ہوں میں اس گھڑی کے لئے' کتنا تڑپا ہوں اس ملن کے لئے' اس زیست افروز لمس کے لئے۔ شکر الحمدللہ تمہارا ہاتھ تھامنے کی میری دیرینہ آرزو آج پوری ہو گئی۔ اب یہ ہاتھ اور ساتھ زندگی بھر نہیں چھوٹے گا انشاءاللہ۔“

”احسن کمال نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں سمو کر اس کی نرمی اور ملائمت کو محسوس کرتے ہوئے مسرور لہجے میں کہا اور اس کے ہاتھ میں ڈائمنڈ کا بریسلیٹ اور انگلی میں ڈائمنڈ کی انگوٹھی پہنا دی۔

”احسن۔“ صبا نے تڑپ کر پیار سے پکارا مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”احسن! احسن آپ سن رہے ہیں ناں۔“ وہ تڑپ کر بولی۔

”ہاں میری جان! میں سن رہا ہوں تم پکارتی رہو اور میں سنتا رہوں' تمہارے لبوں سے احسن صاحب کی بجائے احسن سننا اتنا دلنشین احساس ہو گا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ تم نے احسن کو معتبر کر دیا ہے صبا جان۔“ وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے محبت پاش لہجے میں بولے تو وہ ان کی محبت کی شدت پر دنگ رہ گئی۔

احسن کمال نے ہنستے ہوئے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔ محبتوں کی کہکشاں ان دونوں کے چہار اطراف جگمگا رہی تھی۔ زندگی کی صبح ان کے لئے مسرتوں اور چاہتوں بھرے موسم سجا رہی تھی۔

ختم شد